اندھیرے میں

رابندر ناتھ ٹیگور
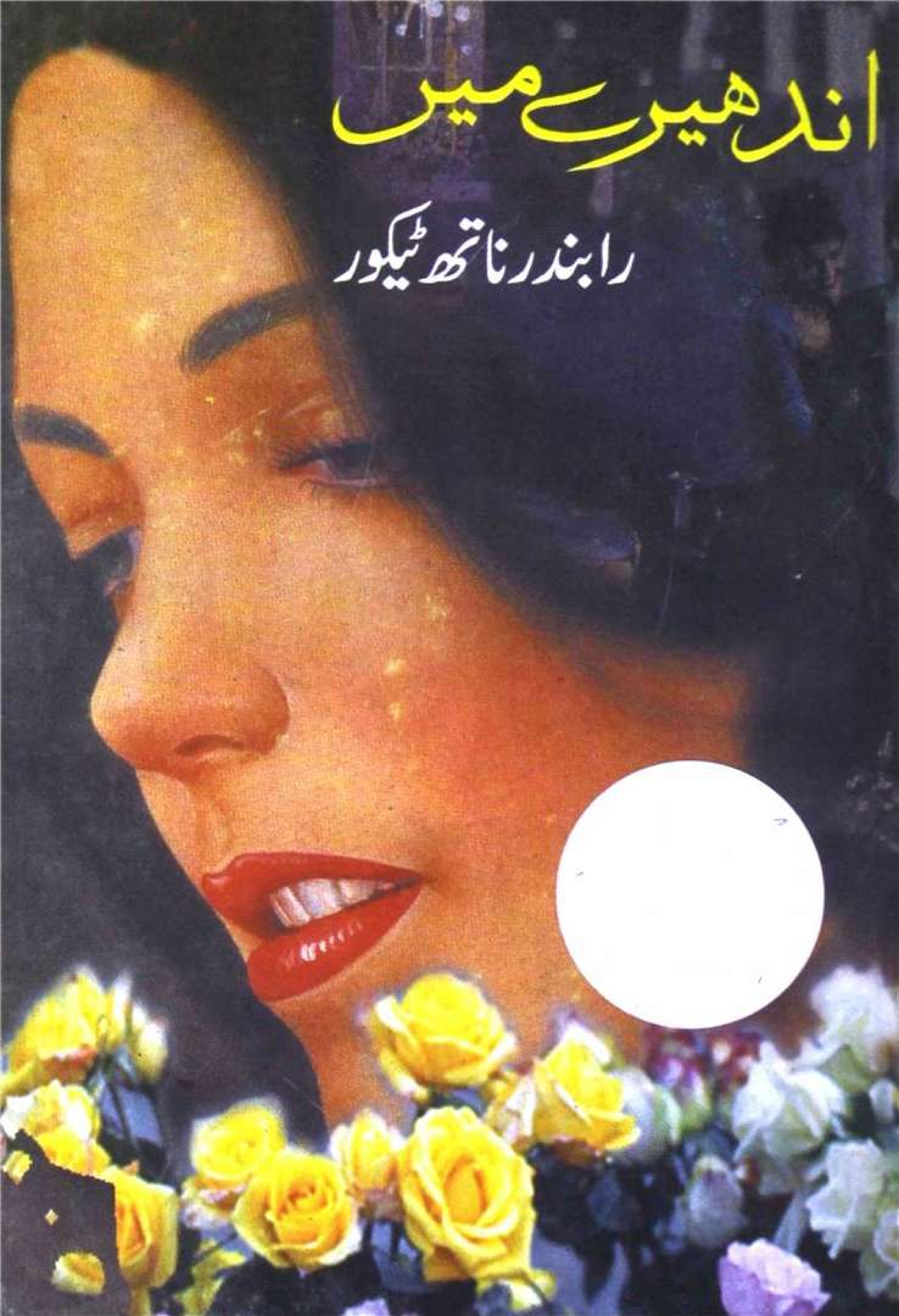
اندھیرے میں

ٹیگور

ANDHERE MEIN
BY
RABINDER NATH TEGORE
PRICE RS.120/-
YEAR OF PUBLICATION 2009

آہلوالیہ بک ڈپو

9988، نیورو ہتک روڈ، گلی نمبر 6، سرائے روہیلا،
پوسٹ بکس نمبر:2507، نیودہلی۔110005

انتساب

ان سپنوں کے نام!

جو ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے

پرتھوی راج نشتر

پیش لفظ

ڈاکٹر ٹیگور کی کسی کتاب کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا لیکن پھر بھی اسقدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ناول ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "ٹھاکرانی کی ہاٹ" کا ترجمہ ہے۔ اگرچہ یہ ناول ان کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے۔ لیکن اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا ترجمہ تقریباً تقریباً سب ہندوستانی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

اس ناول کا پلاٹ پرانے راجواڑوں سے لیا گیا ہے اور اسے پڑھتے پڑھتے ہندوستان کے اس زمانے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

یہ پہلی کتاب ہے جس کا ترجمہ کرنے کا فخر مجھے حاصل ہوا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے کہ مصنّف کے جذبات و خیالات کو پامال نہ کیا جائے۔ البتہ کہیں کہیں جذبات کی آئینہ داری کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کہیں عبارت میں رنگینی، شوخی و شگفتگی پیدا کرنے کے لئے صراطِ مستقیم سے بھٹکنا پڑا تو مجھے محترم مصنف سے جو کہ میرے لئے ایک گورو کی حیثیت رکھتے ہیں امید ہے اس کو ادبی لغزش سمجھ کر معاف فرمائیں گے۔

پرتھوی راج شرما

(ا)

آدھی رات اِدھر۔ آدھی رات اُدھر —— گرمی کا موسم۔ ہوا بالکل بند ہے۔ درخت کا ایک پتہ تک نہیں ہلتا۔ والیٔ ایشوہر مہاراج پرتاپ دت کے بڑے راجکمار ولی عہد ادیادت اپنی خوابگاہ میں کھڑکی کے پاس بیٹھے ہیں۔ ان کے چہرے پر تفکرات کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ آنکھوں سے مایوسی جھلک رہی ہے۔ پاس ہی ان کی بیوی سُرما بیٹھی ہے۔ سُرما کی تشنہ نگاہیں ادیادت کے چہرے پر پڑیں۔ اور اس کا پھول جیسا چہرہ مرجھا گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا:۔

"آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں —— صبر سے کام لیں۔ کبھی تو ہمارے دن بھی پھریں گے۔ دُکھ کے بادل چھٹ جانے کے بعد مسرت کا آفتاب طلوع ہوا کرتا ہے" —— ادیادت نے مایوسانہ انداز سے سُرما کی طرف دیکھا اور کہا —— "سُرما! میں کچھ بھی نہیں چاہتا —— کاش کہ میں راج محل میں پیدا ہو کر ولی عہد نہ ہوتا۔ ایشوہر کے تخت و تاج، دھن و دولت، عزت و جاہ، آرام و راحت، اور اس تمام شان و شوکت کا وارث نہ ہوتا، بلکہ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا۔ تو بہت سکھی ہوتا —— کیا کوئی ایسی تپسیا ہے، جس کے کرنے سے میری یہ خواہش پوری ہو؟

سرمانے بے تاب ہو کر ادیادت کے دائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبا لیا۔ اور ان کے منہ کی طرف دیکھ کر دھیرے دھیرے ٹھنڈی سانس لی۔ وہ اپنے سوامی کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے جان تک دے سکتی تھی لیکن جان دے کر بھی وہ ان کی اس آرزو کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس بات کا اس کو بہت ہی دکھ ہوا۔

ادیادت نے کہا: "میں راجہ کے گھر میں پیدا تو ہوا لیکن مجھے کوئی سکھ نہ ملا ——— راج محل کے لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے صرف وارث ہو کر جنم لیا ہے۔ اولاد ہو کر نہیں۔ کیونکہ مجھ میں وہ خوبیاں نہیں ہیں۔ جو ایک راجکمار میں ہونی چاہئیں۔ مہاراج بچپن ہی سے مجھ پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات کا ہمیشہ شک رہتا ہے کہ میں ان کی شان شوکت اور اس دبدبے کو قائم نہ رکھ سکوں گا۔ اور اپنے خاندان کی عظمت کی حفاظت نہ کر سکوں گا۔ وہ میرے ہر ایک کام کو، میری چال ڈھال کو آزمائش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں پدرانہ محبت کی جھلک تک نظر نہیں آتی۔ میرے عزیز واقارب، وزرا، [illegible] اور رعایا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مجھ سے ملک کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ وہ میرے کانوں سمدر برتاؤ کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ میں حکومت کے نااہل ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ میں برائی بھلائی میں امتیاز نہیں کر سکتا اور اب تو وہ لوگ آہستہ آہستہ مجھے حقارت سے دیکھنے لگے ہیں ——— مہاراج کو مجھ پر بھروسہ نہیں۔ وہ مجھ سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں۔ اب وہ بھولے سے بھی مجھے کبھی یاد نہیں کرتے۔ میری کچھ خبر نہیں لیتے۔"

سُرما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے کلیجہ مسوس کر کہا۔

"اُف! یہ سب کچھ کوئی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔" اس بات سے اس کو بہت ہی دکھ ہوا۔ اور کچھ غصہ بھی آیا۔ اس نے پھر کہا۔

"آپ کو بیوقوف سمجھنے والے پاگل ہی معلوم ہوتے ہیں۔"

اُدیاوتی کے لبوں پر ایک لمحہ کیلئے مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انہوں نے سُرما کی ٹھوڑی پر ہاتھ لگایا اور اس کے غصے سے تمتمائے ہوئے چہرے کو اوپر اُٹھا کر کہا۔

"نہیں سُرما! یہ سب کچھ حقیقت پر مبنی ہے۔ واقعی مجھ میں حکومت کی گتھیاں سلجھانے کی قابلیت نہیں۔ اور اس بات کی کئی بار آزمائش بھی ہو چکی ہے —— ابھی میں نے سولہ بہاریں دیکھی تھیں کہ مہاراج نے حسین خلالی پرگنے کا بوجھ مجھے سونپا تھا۔ لیکن میرے نازک کندھے اس بوجھ کو برداشت کرنے میں ناکام رہے۔ اور ابھی چھ ماہ بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ میرے علاقے میں گڑبڑ مچ گئی۔ روپیہ جتنا چاہیئے تھا، وصول نہ ہوا۔ رعایا خوش تھی۔ ہر جگہ میری فیاضی کے چرچے ہونے لگے۔ لوگ تو دعائیں دینے لگے۔ مگر مہاراج کے خوشامدی نوکر میرے خلاف زہر اُگلنے لگے۔ انہوں نے راجہ کے خوب کان بھرے۔ اس پر راج دربار کے سب لوگوں نے یہ فیصلہ دیا، کہ اگر ولی عہد رعایا کی اس قدر طرفداری کریں گے، تو ان سے حکومت کی باگ ڈور نہ سنبھالی جائیگی۔ اس بات نے مہاراجہ کی نفرت میں اور بھی اضافہ کیا۔ اس ۔۔۔ میری طرف دیکھتے تک بھی نہیں۔ اور ان کا خیال ہے۔ کہ میں بھی راٹے گرا۔ کے چچا وسنت رائے کی طرح خاندان کو نیست و نابود کر دوں گا۔ اور ان کی طرح ستار بجا کر ناچتا پھروں گا۔"

اب سُرما کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ وہ سب کچھ خاموشی سے سُنتی رہی۔ پتی کو اس قدر مایوس اور رنجیدہ دیکھ کر کہنے لگی۔

"صبر سے کام لیں —— سب کچھ ہمت سے برداشت کیجئے۔ چاہے وہ کتنے ہی بُرے ہوں۔ مگر پھر بھی باپ ہیں۔ ان کے دل میں اتنی سختی —— اتنی نفرت —— اور ناامیدی سب کچھ عارضی ہے۔ آجکل وہ ویسے ہی راج کی حدود کو بڑھانے میں کچھ شکستہ دل ہو رہے ہیں۔ اور ان کے دل پر ناامیدی کا غلبہ ہے ——

"اس لیے ان کے دل میں محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ لیکن جسقدر اُن کی خواہشات پوری ہوں گی۔ اتنا ہی ان کے دل میں پریم بڑھے گا۔"

اُدیادت۔ "سُرما! اس میں شک نہیں کہ تم عقلمند بھی ہو اور دور اندیش بھی۔ مگر اس معاملے میں تم بھولتی ہو۔ پہلے تو امیدوں کے بار آور ہونے کی کوئی میعاد ہی نہیں دوسری بات یہ ہے کہ ان کے راج کی حد جتنی بڑھے گی۔ ان کی ہوس اس سے زیادہ بڑھتی جائے گی۔ اور پھر راج کے غیر محفوظ ہونے کا ڈر ان کے دل میں پیدا ہو جائے گا۔ راج کاج جتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی وہ مجھ کو نا قابل اور نااہل سمجھیں گے۔"

سُرما کی سمجھ میں کوئی جھوٹ نہ تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے مان لیا کہ وہ غلطی پر ہے بعض اوقات کسی بات کا اعتبار یقین کی صورت اختیار کر کے دل پر قبضہ کر لیتا ہے، تو عقل کو بھی شکست ہو جاتی ہے ——— اسی طرح وہ بھی اُدیادت کی بات پر اعتبار کرنے لگی۔

اُدیادت نے سلسلۂ کلام جاری رکھا:-

"میں جب لوگوں کی وہ نگاہیں جن میں محبت اور نفرت کے ملے جُلے آثار پائے جاتے تھے، برداشت کرتے کرتے عاجز آ جاتا تو چپکے سے دادا جی کے پاس بڑائی گڑھ چلا جاتا۔ پتاجی میری کچھ خاص فکر نہیں کرتے تھے۔ لیکن وہاں میرے دل بہلانے کے کئی سامان تھے۔ وہاں سارا دن باغوں میں گھومتا رہتا۔ جہاں قسم قسم کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دنیا کے رنج و غم سے بالکل بے نیاز کر دیتی تھی۔ گاؤں والوں کے گھر آتا جاتا، ان کی سادگی اور بے لوث محبت حکومت کے جھگڑوں کو بھلا دیتی۔ وہاں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ دن رات شاہانہ لباس میں رہنے کی زحمت سے چھٹکارا مل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جس جگہ دادا جی رہتے ہیں، وہاں رنج و الم کا نام تک نہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دُکھ درد مسرت کی لہروں کی نذر

ہو جاتے ہیں۔ گانے بجانے کی خوشی سے وہ ساری فضا پر جادو کر دیتے ہیں، وہ امنگوں کے طوفان میں صبر و سکون اور راحت و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں وہاں جاتے جاتے یہ بھول جاتا ہوں کہ میں لیشو ہر کا ولی عہد ہوں "

"ہاں ——— ایک بات اور یاد آئی - جس کو لاکھ بھلانے کی کوشش کروں۔ دماغ سے محو نہیں ہوتی۔ ہر وقت اس کا تصور آنکھوں کے سامنے ناچتا رہتا ہے ——— جب میری عمر ابھی اٹھارہ برس تھی، اس وقت میں راے گڑھ میں دادا جی کے پاس تھا ایک دن ——— بسنتی ہوا چل رہی تھی۔ میں ایک آزاد پنچھی کی طرح باغ میں قدرت کی نیرنگیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا کوئل کی ...... کو کو۔ اور پپیہے کی 'پی کہاں' سے دل کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی۔ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں جھوم جھوم کر کہہ رہی تھیں کہ آج ضرور برسیں گی، دل و دماغ پر ایک عجیب قسم کی مستی چھا رہی تھی۔ اس دل فریب اور سہانی گھڑی میں سرسبز و شاداب کنج بن میں میں نے لڑکی کو دیکھا"

شرما۔ "یہ بات میں کئی بار سن چکی ہوں"

اُد باوت۔ "اب ایک بار اور سن لو۔ کوئی بات ایسی بھی ہوتی ہے جس کی یاد آتے ہی سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ اور دل پر ایک کاری ضرب لگتی ہے ——— لیکن بار بار کہنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے ——— اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سے کہتے ہوئے میں شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہوں۔ اور میری روح تھرتھرا اٹھتی ہے۔ لیکن اپنے پاپ کی پراشچت کے لئے اور اس کی یاد کو دل سے نکال لینے کے لئے بار بار کہتا ہوں۔ ——— جب اس کی یاد باقی نہ رہے گی تو دل کی بے چینی دور ہو جائے گی۔ اور میں سمجھونگا کہ میرا گناہ معاف ہو گیا۔"

شرما۔ "پران ناتھ! کتنا ڈر کس بات کا ——— اگر آپ نے گناہ کیا ہے تو

اس میں قصور گناہ کا ہے، آپ کا نہیں ـــــ کیا میں آپ کے دل کو نہیں جانتی؟ ـــــ آپ پچھتاوے کی جس آگ میں جل رہے ہیں، کیا وہ کسی سے پوشیدہ ہے؟"

ادیاوت کہنے لگے:۔ "رکمنی مجھ سے تین برس بڑی تھی۔ اس کا سہاگ لُٹ چکا تھا اور وہ اس دنیا میں بے سہارا تھی۔ داداجی کی مہربانی سے وہ راے گڈھ میں زندگی چین سے بسر کر رہی تھی ـــــ مجھے یاد نہیں کہ اس کی کون سی ادا میرے خرمنِ سکون پر بجلی گرا گئی۔ میرے ہوش و حواس لوٹ کر مجھے پاگل بنا گئی ـــــ مجھے آنکھوں سے اندھا کر گئی۔ میرے جذبات میں مد و جزر کی ایک لہر اٹھی اور مجھے بہا کر لے گئی۔ میں غوطے کھاتا بہتا چلا گیا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی نہ تھا۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ میرے دماغ پر جنون سا طاری ہو گیا۔ تمام دنیا میری آنکھوں کے سامنے ایک مجسم شکل اختیار کر کے گھومنے لگی۔ اس سے پہلے میرے دل کی کشتی جذبات کے بھنور میں اسقدر بُری طرح نہ پھنسی تھی۔ اور نہ ہی اس کے بعد میرے دل کی یہ حالت ہوئی۔ نامعلوم ـــــ پرماتما نے کیوں اس کمزور دل میں ایک دن کے لئے نفس کو بے لگام کر دیا۔ جس نے ایک ہی پل میں مجھے عرش بریں سے پاتال میں پہنچا دیا۔ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا، جس کی سزا میں ایک ہی لمحے میں ـــــ میری زندگی کی سفید چادر کو داغدار بنا دیا۔ دن کے اُجالے کو رات کی تاریکی میں بدل دیا۔ میرے من کی پھلواڑی کو ـــــ خزاں کے ایک ہی جھونکے سے مرجھا دیا۔"

ادیاوت اس سے آگے کچھ نہ بول سکے۔ زبان میں لکنت سی محسوس ہونے لگی۔ چہرے پر زردی چھا گئی۔ آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ ان کے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔

سہادنا غصے سے بولی:۔ "آپ کو میری قسم ـــــ اس بات کو رہنے دیجئے۔"

ادیادت تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد پھر کہنے لگے۔

"کیا کہوں۔ جب اس پاپ کے بھنور میں جوار بھاٹے کا زور کم ہوا۔ لہروں نے منجدھار سے نکال کر پھر کنارے پر پھینک دیا۔ آنکھیں کھلیں، کچھ ہوش آئی۔ سب چیزیں پہلے کی طرح دکھائی دینے لگیں ـــــ میں نے سنسار کو ایک سپنا سمجھ کر قدرت کی نیرنگیاں دیکھیں۔ اس وقت میری جو حالت ہوئی، وہ کیسے بیان کروں ـــــ میں خود نہیں جانتا کہ میں کہاں سے کہاں جا پہنچا ـــــ آنکھ جھپکتے ہی پہاڑ کی چوٹی پر سے نیچے کھائی میں گر گیا۔ ـــــ دادا جی آئے۔ اور مجھے بلا کر لے گئے۔ میں ان سے آنکھیں چار نہ کر سکا۔ اور انہیں اپنا منہ دکھاتا بھی تو کیونکر؟ میرے منہ پر جو سیاہی پوت دی گئی تھی۔ اس نے مجھے رائے گڈھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور سچ پوچھو تو اس کے بعد آج تک مجھے وہاں جانے کی جرأت نہ ہو سکی ـــــ لیکن دادا جی میرے بغیر کب رہ سکتے تھے۔ وہ مجھے بار بار بلاتے ہیں اور جب میں گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتا ہوں، تو شرم کے مارے وہاں جانے کا حوصلہ ہی نہیں پڑتا۔ اور جب میں وہاں نہیں جاتا۔ تب وہ خود مجھے اور دبھا کو دیکھنے یہاں آتے ہیں۔ وہ مجھ سے بالکل نفرت نہیں کرتے۔ ـــــ اور نہ ہی کبھی یہ پوچھتے ہیں کہ میں رائے گڈھ کیوں نہیں جاتا۔ ہمیں دیکھ کر وہ بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔ اور دو ایک روز ٹھہر کر چلے جاتے ہیں۔"

ادیادت نے مسکرا کر پریم بھری نگاہوں سے سُرما کی طرف دیکھا۔ سرمانے دل ہی دل میں کہا: "دیکھوں اب اور کیا کہتے ہیں۔" اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کا من کچھ چنچل ہو پڑا۔ ادیادت نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے گالوں پر رکھ کر بڑی نرمی سے اس کے جھکے ہوئے منہ کو اوپر اٹھایا۔ وہ اس کے بالکل ہی پاس جا بیٹھے۔ اور آہستہ آہستہ اس کی پیشانی کو اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ پھر اسے چھاتی سے

لگا کر کہا۔

"اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں ـــ تمہارا یہ چمکتا ہوا ـــ پُرسکون اور کومل چہرہ جس پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ قدرت نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ میری اوشا ـــ اور آشا تم ہی تو ہو۔ میں جس کھائی میں گر گیا تھا، اس سے نکلنے کی کوئی امید باقی نہ تھی۔ اگر تو نہ ہوتی، تو میں اسی طرح گھپ اندھیرے میں پڑا رہتا نا معلوم کس جادو کی طاقت سے تم نے اتنی جلدی اس اندھیرے کو دور کر دیا"

ادیادت نے بار بار سرما کا منہ چوم کر اپنی احسانمندی ظاہر کی۔ لیکن سُرما کچھ نہ بول سکی۔ آنکھوں سے خوشی کے آنسو اُمڈ اُمڈ آئے۔ ادیادت نے پھر کہا:۔

"اتنے دنوں کے بعد آج پہلی مرتبہ مجھے زندگی کا سہارا ملا۔ تم نے کہا کہ میں بیوقوف نہیں ہوں۔ آج میں نے اس بات کو دل میں جگہ دی۔ اور تم سے سیکھا کہ عقل اندھیری تنگ گلی کی طرح ٹیڑھی، چھوٹی، سکڑی ہوئی یا اونچی نیچی نہیں ہے۔ بلکہ یہ شاہراہ کی طرح سیدھی، ہموار اور خوب لمبی چوڑی ہے۔ اور جب یہ پرواز کرتی ہے۔ تو آسمان کے تارے توڑ لاتی ہے ـــ پہلے مجھے اپنے آپ سے نفرت تھی۔ اپنی عزت اپنے ہاتھوں برباد کر رکھی تھی۔ کوئی کام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ میں ہمیشہ پست ہمت، آرام پرست اور بزدل بنا رہا۔ میرا دل جسے سچ مانتا تھا، میری عقل، وہی عقل اسے جھوٹ کہہ کر مجھے بہکاتی تھی۔ میرے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا جاتا، میں اسے برداشت کر لیتا تھا۔ میں نے بُرا بھلا سوچنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ لیکن آج ـــ مجھے اپنی حقیقت سے آگاہی ہو گئی۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور معلوم ہوا کہ میں بالکل مٹی کا پُتلا ہی نہیں، بلکہ کچھ حقیقت بھی رکھتا ہوں۔ میری عقل پر جو پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ تم نے تار تار کر دیا۔ اور میرے من کے اندھیرے کو حقیقت کے نور سے

دور کر دیا۔ تم مجھے روشنی میں لائی ہو۔ نہیں، بلکہ تم نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے۔ اب میں جو کچھ اچھا سمجھوں گا، ضرور کروں گا ـــــ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ جب تم مجھے یقین دلاتی ہو، پھر میں کیوں اپنے آپ پر شک کروں۔ لیکن سُرما! ایک بات بتاؤ۔ تمہارے اس نازک بدن میں اتنی طاقت کہاں سے آئی، کہ مجھ کو اس قدر مضبوط اور قوی بنا دیا ـــــ"

سُرما جذبات سے مغلوب ہو گئی۔ اور اُدیادت کو دونوں بازوؤں سے لپیٹ کر ان کی چھاتی سے لگ گئی۔ اس کی معصوم آنکھوں میں سچی پتی بھگتی کے جذبات، اس کے دل کے آئینہ دار تھے۔ اس کی محبت بھری آنکھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس دنیا میں میرا اور کوئی نہیں ـــــ کوئی بھی نہیں۔ صرف تم ہی ایک ہو۔ اور اسی سے سب کچھ ہے۔

بچپن ہی سے اُدیادت اپنے رشتہ داروں کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہے تھے۔ طعن و تشنیع کے نشتروں سے ان کا سینہ چھلنی ہو چکا تھا۔ اپنے دل کے ناسوروں پر مرہم لگانے کے لئے ـــــ کبھی کبھی، کسی خاموش رات کو ـــــ جبکہ گناہوں کا دیوتا تاریکی کے تخت پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اور گناہوں کی سیاہی ـــــ رات کی تاریکی میں جذب ہونے کی کوشش کرتی۔ وہ سُرما کے پاس بیٹھ کر ـــــ بار بار اپنی رام کہانی سناتے اور دل کا بوجھ ہلکا کرتے۔ وہ اپنے غنچۂ دل کو بادِ صرصر کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن ـــــ

ادیادت نے پھر کہا " کب تک اسی طرح ہوتا رہے گا؟ اس طرح اور کتنے دن گذارہ ہوگا۔ راج دربار میں مجھ پر ایک عجیب قسم کی " نظر عنایت " ہوتی ہے۔ ادھر محلوں میں ماں نے تمہارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ نوکر نوکرانی تک کوئی بھی تمہاری عزت نہیں کرتا ـــــ اور مجھے کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں

پڑتا۔ اس لئے میرے لبوں پر مہر خاموشی ثبت ہوگئی ہے۔ اور میں سب کچھ خاموشی سے پی جاتا ہوں۔ لیکن ـــــ سرما! تمہارا برتاؤ کچھ سخت ہے۔ یہ بات میں تم سے کیسے کہوں ـــــ کہ تم ـــــ تم بھی سب کچھ برداشت کر لیا کرو۔ میرے اندر پشیمانی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جب میں تم کو سُکھ نہ دے سکا ـــــ جب میرے رشتے سے تم کو صرف بے عزتی اور دُکھ ہی سہنا پڑا ـــــ تو میرے ساتھ تمہارا بیاہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔"

سرما "پران ناتھ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے لئے یہی سب کچھ ٹھیک ہے۔ میں سُکھ کے وقت آپ کی کون سی خدمت کر سکتی ـــــ سُکھ میں سرما صرف عیش و عشرت کی ایک چیز ہوتی۔ ایک طرح کا کھلونا ہوتی ـــــ لیکن ان مصائب کو برداشت کر کے مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ مجھے کسی طرح اپنے دُکھ کا سہارا تو سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ دکھ سہنے میں مجھے جو سکون حاصل ہے۔ اس سے میرے دل کو ایک گونہ خوشی ہے، اور اگر مجھے کچھ دُکھ ہے تو صرف یہ کہ میں آپ کے سارے دُکھوں کو اپنے اوپر کیوں نہ لے سکی۔"

ولی عہد کچھ دیر تک سُرما کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر بولے "پیاری! مجھے اپنا ذرا بھی فکر نہیں۔ میرے لئے ہر ایک بات قابلِ برداشت ہے۔ لیکن میری وجہ سے تم کیوں تکالیف برداشت کرو ـــــ ستی استری کو پتی کے ساتھ جیسا سلوک رکھنا مناسب ہے ویسا ہی تم میرے ساتھ رکھتی ہو۔ تمہیں میری تکالیف کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ اور تم انہیں دور کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی ہو۔ دکھ میں ہمیشہ تسلی دیتی ہو۔ اور ہر ممکن طریقے سے میرا غم غلط کرتی ہو ـــــ لیکن میں تمہارا پتی ہوتے ہوئے بھی تمہیں بے عزتی اور نفرت کے دُکھ سے نہ بچا سکا۔ تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارے لئے کچھ بھی

نہ کر سکا ــــــــ تمہارا باپ شری پور کا حکمران ہے - وہ کسی صورت میں بھی یشوبہر کے مہاراج کے ماتحت رہنا منظور نہیں کرتے - اور نہ ہی ان کی حکومت کو مانتے ہیں - اس لیئے مہاراج اس غصے کی آتش فشانی تم پر کر کے اپنی برتری قائم رکھنا چاہتے ہیں - کوئی تمہارا کہا نہ مانے، یا تمہاری پرواہ نہ کرے - وہ اس بات پر توجہ نہیں دیتے - بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تمہیں بہو بنا کر اپنے گھر میں تمہیں جگہ دی - یہی تمہارے لئے کافی ہے - جب یہ تمام باتیں برداشت کی حد سے باہر ہو جاتی ہیں، تو جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ کر صرف تمہیں ساتھ لے کر کہیں چلا جاؤں ــــ اور اب تک تو میں کبھی کا چلا بھی گیا ہوتا ــــــــــــ لیکن تم نے مجھے روک رکھا ہے ۔"

رات بہت گذر گئی ہے - سانجھ کے تارے کتنے ہی ڈوب گئے - اور گہری رات کے تارے کتنے ہی طلوع ہوئے - چاروں طرف خاموشی کی حکمرانی ہے - صرف قلعے کے پھاٹک پر پہرے داروں کے چلنے کی آہٹ کچھ کچھ سنائی دیتی ہے - سارا سنسار نیند کی گود میں سنہری سپنوں سے ہمکنار ہے - شہر میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے - ساری فضا پر ایک سناٹے کا عالم طاری ہے - اس سکوت میں دو ایک گیدڑوں کی آواز خلل انداز ہوتی ہے - ورنہ ہر طرف ایک گہری محویت چھائی ہوئی ہے - ادیا دت کی خوابگاہ کا دروازہ بند تھا - اچانک ہی باہر سے کسی نے دستک دی - ادیا دت نے جھٹ دروازہ کھول کر دیکھا - ان کی بہن دبھا کھڑی تھی - دبھا کو دیکھتے ہی ادیا دت نے گھبرا کر پوچھا ۔

"دبھا! تم یہاں ــــ اس وقت ــــ کیوں کیا ہوا ہے؟"

دبھا نے کہا "معلوم ہوتا ہے اب خیر نہیں ۔"

سریا اور ادیا دت دونوں نے ایک ساتھ ہی پوچھا "کیوں، کیا ہوا ہے؟"

دبھا بید مجنوں کی طرح کانپ رہی تھی۔ لرزتی ہوئی آواز سے چپکے چپکے کچھ کہا۔ لیکن کہتے کہتے وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی۔ بات پوری کرنے سے پہلے ہی پوچھا "بھیا! اب کیا ہوگا ؟"

ادیادت نے کہا۔ "گھبراؤ مت ——— میں ابھی جاتا ہوں۔"

دبھا۔ "نہیں بھیا! تم نہ جاؤ۔"

ادیادت۔ "دبھا تم کیا کہہ رہی ہو ——— ؟"

دبھا۔ "تمہارے جانے کا حال معلوم ہونے پر مہاراج کا عتاب ———"

سرما۔ "یہ وقت ان باتوں کو سوچنے کا نہیں۔"

ادیادت نے پوشاک پہن کر کمر میں تلوار باندھی اور جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ دبھا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "تم نہ جاؤ ——— کسی اور آدمی کو بھیج دو۔ نہ معلوم میرا جی کیوں گھبراتا ہے۔"

ادیادت۔ "اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میرے جانے میں تم رکاوٹ نہ بنو۔ اب اس قدر وقت نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر ادیادت کمرے سے باہر ہو گئے۔ دبھا نے سرما کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ڈرتے ہوئے کہا۔

"بھابی! اگر مہاراج کو معلوم ہو گیا تو ———"

"تو" سرما نے کہا۔ "تو پھر کیا ہوگا ——— ہم سے وہ پہلے ہی کب خوش ہیں ——— انہیں ہم سے پہلے ہی کب محبت ہے ——— اور اگر کچھ ہے بھی، تو وہ بھی نہ رہے گی۔ اتنا ہی ہوگا : اس کے لئے کوئی کہاں تک ڈرتا رہے۔"

دبھا۔ "نہیں بھابی! اگر انہوں نے کوئی اور سزا تجویز کی، تو ———"

سُرما نے لمبی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اس بات پر پورا وشواس ہے کہ دنیا میں جس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں، پرماتما اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پربھو! تم اپنے نام پر بٹہ نہ لگنے دینا۔ مجھے تم پر جو بھروسہ ہے اس کو قائم رکھنا۔

---

(۲)

منتری نے پوچھا۔ "مہاراج! کیا وہ کام کرنا مناسب ہوگا۔"

پرتاپ دت: "کون سا کام؟"

منتری: "جس کے لئے کل آپ نے حکم دیا تھا۔"

پرتاپ دت (غصے سے) "کل کیا حکم دیا گیا تھا؟"

منتری: "وہی ـــــ چچا صاحب کے متعلق۔"

پرتاپ دت اور بھی غصے ہو کر بولے: "چچا کے بارے میں کیا؟"

منتری: "مہاراج نے حکم دیا تھا کہ جب وسنت رائے یشوہر آتے وقت رسل تلی کی چھاؤنی میں ٹھہریں، تب ـــــ"

پرتاپ دت: "(بھوئیں سکیڑ کر) تب کیا۔ بات پوری کہہ ڈالو۔"

منتری: "تب دو پٹھان جا کر ـــــ"

پرتاپ دت: "ہاں ـــــ"

منتری: "انہیں مار ڈالیں۔"

پرتاپ دت تیوری چڑھا کر بولے۔ "سنو دیوان! معلوم ہوتا ہے، دھوپ میں بال سفید کئے ہیں تم نے ـــــ کیوں بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ ایک بات کا

جواب سننے کے لئے لیت و لعل کر رہے ہو؟ کام کی بات پوچھتے ہوئے کیا تمہیں شرم آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب تمہاری عقل ٹھیک کام نہیں کرتی۔ اور تم حکومت کے کاموں میں مدد دینے سے قاصر ہو۔ شاید چوتھے پن کی فکر کا وقت آگیا ہے ــــ لیکن اب تک تم نے اپنے عہدے کو چھوڑنے کے لئے ہم سے عرض کیوں نہیں کی؟"

منتری۔ مہاراج نے میری عرض پر غور نہیں کیا۔

پرتاپ دت۔ ہم نے اچھی طرح غور کیا ہے۔ اور تمہارے مطلب کو خوب سمجھا ہے ــــــ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم جو کام کرنا چاہتے ہیں کیا تم لے زبان پر بھی نہیں لاسکتے؟ ــــــ تمہیں اس کام کے متعلق پہلے سوچنا چاہئے تھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن اب ــــــ جبکہ ہم وہ کام کرنے چلے ہیں تو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس میں بھی کوئی راز ہے۔ اور ہم نے اس کی اچھائی اور برائی کے متعلق پہلے ہی سوچ لیا ہے۔

منتری "مہاراج! میں تو ــــــ!"

پرتاپ دت۔ "ٹھہرو۔ پہلے ہماری بات اچھی طرح سن لو۔ جب ہم اپنے چچا کو قتل کروانے پر تیار ہوئے تو تمہارے متعلق یہی خیال تھا کہ تم اس کو پاپ سمجھو گے ــــ لیکن یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ غیروں نے ہمارے ملک میں آکر ظلم و ستم کا ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ وہ ہمارے دھرم کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری عزت ان کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے اور ہم دن بدن تباہی کے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کو غیروں کی قطع و برید سے محفوظ رکھیں۔ اور ان کو ملک سے نکال کر اپنے دھرم کو از سر نو زندہ کریں ــــــ

ــــ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ بنگال کے تمام راجہ مہاراجہ ہماری طاقت کا لوہا مانیں اور ہمارے ماتحت رہیں ــــــ دیوان صاحب! جانتے ہو اس کے لئے کیا کرنا

پڑے گا۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے لئے ایک خاص طاقت کی ضرورت ہے، اور اس طاقت کو حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جو لوگ غیروں کے دوست ہیں انہیں فوراً تلوار کے گھاٹ اُتار دینا چاہئے ۔۔۔۔۔ پچچا وسنت رائے میرے لئے قابل احترام ہیں۔ لیکن وہ ہمارے خاندان کے لئے کلنک ہیں۔ انہوں نے غیروں کا غلام ہونا منظور کیا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ہم کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے۔ اور بعض اوقات پھوڑا ہونے پر بازو بھی کاٹ دینا پڑتا ہے راج نیتی کا تقاضا! انصاف کی آواز اور اس کے علاوہ ہماری یہ خواہش بھی ہے کہ خاندان کے کلنک اور بنگال دیش کے پھوٹے اس وسنت رائے کو ختم کرکے شاہی خاندان اور ملک کی حفاظت کریں۔"

منتری :- مہاراج! اس کے متعلق تو میرا آپ سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔

پرتاپ دت :- تھا کیوں نہیں۔ اب بھی ہے۔ سچی بات کہتے کیوں نہیں؟ ۔۔۔ دیکھو دیوان! جب تک تم ہماری رائے سے متفق نہ ہو، کرو، اس وقت تک برابر اپنی رائے ظاہر کرتے رہا کرو۔ اگر اتنا حوصلہ نہیں، تو تم وزیر بننے کے قابل ہی نہیں۔ اگر کسی قسم کا شک ہو تو ہم سے کہو۔ ہمیں سوچنے کا موقعہ دو ۔۔۔۔۔۔ لیکن تم تو یہ ہی سمجھ رہے ہو کہ چچا کو قتل کروانا پاپ ہی تو ہے۔ تمہارے دل میں یہی بات گھر کئے ہوئے ہے نا! لیکن حکومت کے اصول کے مطابق ہمیں مجبوراً یہ قدم بھی اُٹھانا پڑا۔"

دھرم ادیا دھرم کے بارے میں وزیر کا راجہ سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وزیر کے طائر خیال نے جہاں تک پرواز کی تھی۔ راجہ کا ذہن وہاں پہنچنے میں قاصر رہا۔ وزیر اچھی طرح سمجھ گیا کہ اب کمزوری دکھانے سے کام نہیں چلے گا۔ مہاراج کا غصے ہونا ایک لازمی امر تھا۔ لیکن جب ان کو اصل بات معلوم ہو جائے گی، تو

ان کی خوشی کی انتہا نہ رہے گی ۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت ہچکچاہٹ دکھانے پر راجہ کے دل میں میرے متعلق شکوک پیدا ہو جائیں ۔ اس لئے منتری نے ہمت سے کام لیا ۔ اور آہستہ سے کہا: "حضور! میرا مطلب یہ تھا کہ شاہِ دہلی یہ خبر سُن کر ناراض ہوں گے ۔"

پرتاپ دت مارے غصے کے تڑپ اُٹھے ۔ اور کڑک کر کہا: "ہاں ہاں ناراض ہوں گے ۔ ـــــــ وہ کیوں ناراض نہ ہوں ۔ ناراض ہونے کا حق سب کو ہے ۔ ـــــــ شاہِ دہلی ہمارے خدا تو نہیں ہیں ۔ ان کی ناراضگی سے ڈرنے والے اور بہت ہیں ۔ اور اب دیکھ رہے ہیں ۔ ایک تم بھی ہو ۔ لیکن تم یہ نہ سمجھو کہ ہم بھی تمہاری طرح ڈرپوک ہیں ۔ ـــــــ تم لوگ چوڑیاں کیوں نہیں پہن لیتے ۔"

منتری نے ذرا مسکرا کر جواب دیا: "مہاراج! صرف غصے سے تو یہ غلام ڈرتا نہیں ۔ لیکن اس غصے کے ساتھ ساتھ اگر ڈھال تلوار بھی ہو، تو پھر کچھ ڈرنا ہی پڑتا ہے ـــــــ شاہِ دہلی کو ناراض کرنے کے لئے کم از کم پچاس ہزار فوج تو بنا لینی چاہیئے ۔"

پرتاپ دت اس کا کوئی موزوں جواب نہ دے سکے ۔ ذرا ٹھہر کر بولے ۔ "دیوان! شاہِ دہلی کی ناراضگی سے ڈرا کر ہمیں کسی کام میں پست ہمت کرنے کی کوشش نہ کرو ۔ ہم اس میں اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں ۔"

منتری: "یہ سُن کر رعایا کیا کہے گی ۔"

پرتاپ دت: "سُنے گی تب نا ـــ"

منتری: "مہاراج! یہ بات بہت دنوں تک پوشیدہ نہ رہ سکے گی ۔ اور اس کے ظاہر ہوتے ہی سارا بنگال آپ کا مخالف ہو جائے گا ۔ آپ جس مطلب کے لئے یہ کام کرنا چاہتے ہیں، وہ پورا نہ ہو گا ـــــــ آپ رعایا کی

نظروں میں گر جائیں گے اور ممکن ہے ——— راج دربار کو کئی مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑے "

پرتاپ دت :- " دیوان ! ہم تم سے ایک بار پھر کہے دیتے ہیں کہ ہم جو کام بھی کرتے ہیں۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس لئے جب بھی ہم کوئی کام شروع کریں، تم ہمیں بزدل بنانے کی کوشش نہ کیا کرو۔ ہم بچے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی قدم قدم پر رکاوٹ ڈالنے کے لئے ہم نے تمہیں زنجیر بنا کر رکھا ہے "

وزیر کے لبوں پر پھر خاموشی ثبت ہو گئی۔ اس کے لئے راجہ کے دو خاص حکم تھے۔ ایک یہ کہ جب تک اختلاف رائے ہو۔ اس وقت تک وہ برابر اپنی رائے کا اظہار کیا کرے۔ دوسرا یہ کہ راجہ کی رائے کے خلاف کوئی رائے ظاہر کرکے ان کو پست ہمت کرنے کی کوشش نہ کیا کرے۔ منتری آج تک ان دو متضاد حکموں کی اچھی طرح تعمیل نہ کر سکے۔ اس نے قدرے تامل کے بعد پھر کہا :-

" مہاراج ! شاہِ دہلی ——— "

پرتاپ دت نے جھڑک کر جواب دیا " پھر شاہِ دہلی ——— دیوان ! دن بھر میں تم جتنی بار شاہِ دہلی کا نام لیتے ہو، اتنا ہی اگر خدا کا نام لیتے تو تمہاری عاقبت سدھر جاتی ——— یاد رکھو جب تک ہمارا یہ کام پورا نہ ہو جائے اس وقت تک ہمارے سامنے دہلی کے بادشاہ کا نام زبان پر مت لاؤ۔ اور جب آج دوپہر کو اس کام کے تعمیل کی خبر آئے۔ اس وقت شاہِ دہلی کے نام کی مالا جپ کر اپنے دل کا ارمان پورا کر لینا۔ لیکن ابھی اپنے دل سے خوف کو نکال دو "

منتری تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر بات کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے بولا " مہاراج ! راجکمار ادیا دت ——— " پرتاپ دت نے بات کاٹتے

ہوئے کہا۔" شاہ دہلی کی ناراضگی کا خوف جاتا رہا ــــــــ رعایا کی مخالفت ختم ہوگئی۔ اب اس عورتوں جیسے چھوکرے ہی سے ہمیں ڈرانا چاہتے ہو کیا ؟"

منتری :" مہاراج ! آپ مجھے عرض تو کرنے دیں۔ میں آپ کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتا "

پرتاپ دت۔" تو کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

منتری :" حضور ! کل رات کو ولی عہد کہیں اچانک ہی گھوڑے پر سوار ہوکر چلے گئے ہیں۔ اور وہ اب تک نہیں لوٹے "

پرتاپ دت غصے ہوکر بولے :" وہ کدھر گیا ہے ؟"

منتری :" مشرق کی طرف "

پرتاپ دت نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔" کس وقت ــــــ"

منتری :" کل آدھی رات کو "

پرتاپ دت۔" کیا شری پور کے زمیندار کی لڑکی یہیں ہے ؟"

منتری۔" جی ہاں "

پرتاپ دت" وہ اپنے باپ کے گھر رہے۔ اسی میں بہتری ہے "

منتری نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پرتاپ دت نے پھر کہا۔

" ہم جانتے تھے ادیادت ولی عہد ہونے کے قابل نہیں ہے۔ وہ بچپن ہی سے رعایا کے ساتھ میل جول رکھنے لگا۔ اس سے ہمیں بڑی مایوسی ہوئی۔ ہمیں معلوم نہ تھا ہماری اولاد ایسی ہوگی ــــــ شیر کے بچے کو شیر کوئی نہیں بناتا۔ اور نہ ہی اس کو شیر بننے کے لئے کسی قسم کی تعلیم درکار ہوتی ہے۔ بلکہ شیر کا بچہ ہمیشہ شیر ہی ہوتا ہے ــــــ ہاں ! ایک بات یہ بھی ہے۔ بعض بچے اپنے نانا کے خاندان پر جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس نے بھی اپنی کچھ عادات نانا کے

خاندان سے ملی ہیں۔ اور اس پر رشری پور کے زمیندار کے گھر اس کا بیاہ کر دیا ہے اس لئے وہ اپنے شاہی وقار کو قائم نہیں رکھ سکا۔ بلکہ کافی نیچے گر چکا ہے ــــــ بھگوان کرے۔ ہمارے چھوٹے راجکمار حکومت کے قابل ہوں۔ اور ہم بے فکر ہو کر آخری سانس لے سکیں ــــــ تو ہاں۔ کیا وہ اب تک نہیں لوٹا ؟ "

منتری :۔ جی نہیں ۔"

زمین پر پاؤں پٹک کر پرتاپ دت نے کہا۔ " کوئی سپاہی اس کے ساتھ کیوں نہیں گیا ؟ "

منتری ۔" حضور ! جانے کو تو تیار تھا مگر انہوں نے روک دیا "

پرتاپ دت :۔ تو اسے خفیہ طور پر ساتھ جانا چاہئے تھا ۔"

منتری :۔ مہاراج ! اگر ان پر کسی قسم کا کوئی شک ہوتا پھر تو وہ ضرور جاتا "

پرتاپ دت :۔ مگر شک کیوں نہیں ہوا ؟ دیوان ! تم یہ سمجھانا چاہتے ہو، کہ پہرہ داروں نے غلطی نہیں کی ۔ لیکن تم اس قسم کی فضول کوشش نہ کرو۔ انہوں نے اپنا فرض نبھانے میں بڑی غفلت کی ہے انہوں نے کوتاہی سے کام لیا ہے ــــــ اس وقت پھاٹک پر کون تھا ؟ اسے بلا بھیجو ــــــ اگر محض ان کی کوتاہ اندیشی اور بے پرواہی سے ہمارا کام نہ ہوا، تو یاد رکھو' ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے ــــــ اور تم بھی اپنی خیر نہ سمجھو۔ تم ہمارے ساتھ بحث مباحثہ کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ کوئی کام خلاف اصول نہیں ہوا۔ اس لئے ہر ایک بات کی ذمہ داری تمہارے سر پر ہو گی ۔

پرتاپ دت نے پہرے داروں کو بلوا بھیجا۔ اور کچھ دیر بعد نہایت ہی حلیمی سے دیوان سے پوچھا :۔

" ہاں ! تم شاہ دہلی کے متعلق کیا کہہ رہے تھے ؟ "

منتری :- "مہاراج ! سُنا ہے شاہِ دہلی کے پاس آپ پر نالش دائر ہوئی ہے "

پرتاپ دت :- "کس نے دائر کی ہے ؟ ـــــــ تم لوگوں کے ولی عہد نے تو نہیں کی "

منتری :- "جی نہیں ـــــــ اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ابھی پوری معلومات حاصل نہیں ہو سکیں "

پرتاپ دت :- "اچھا ـــــــ کوئی بھی کرے۔ اس کے لئے زیادہ فکر نہ کرو۔ ان سب باتوں سے ہم خود ہی نپٹ لیں گے ـــــــ"

ہاں ! ابھی تک وہ دونوں پٹھان بھی واپس نہیں آئے۔ اور ادیادت بھی نہیں لوٹا ـــــــ ہوں ـــــــ تم پہرے داروں کو جلدی بلاؤ "

---

(۳)

ادیادت سنسان راستے پر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے بے خوف چلے جا رہے ہیں۔ تمام کائنات پر تاریکی مسلط ہے۔ چونکہ سڑک بہت عمدہ، سیدھی اور بالکل صاف ہے۔ اس لئے مسافت طے کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ یا دقت محسوس نہیں ہو رہی۔ خاموش اور بھیانک رات میں گھوڑے کی ٹاپ چاروں طرف گونج رہی ہے۔ کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ گھوڑے کی ٹاپ سن کر کئی گیدڑ راستے سے ہٹ کر سہم کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف درختوں پر جگنو اپنی روشنی سے تاریکی کو کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ آسمان کے ستارے ٹوٹ کر ان درختوں میں اٹک گئے ہیں۔ جھنگروں کی لگاتار جھنکار صاف سُنائی دے رہی ہے۔ راستے میں کوئی مسافر بھی نظر نہیں آیا۔ صرف ایک مشتِ استخواں بوڑھا بھکاری سڑک کے کنارے، درخت کے نیچے ـــــ دنیا والوں کی تنگ دلی اور مطلب پرستی سے دور ـــــ بہت دور، خوابِ خرگوش کے مزے لیتا ہوا نظر آیا تھا۔

پانچ کوس راستہ طے کر کے ولی عہد ایک وسیع میدان میں پہنچے۔ گھوڑے کی رفتار کو نسبتاً کم کرنا پڑا۔ دن کے وقت بارش ہو چکی تھی۔ اس لئے زمین کے گیلے اور نرم ہونے کی وجہ سے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ اور کئی بار آگے کے دونوں پاؤں پر بوجھ ڈال کر گھوڑا گرنے سے بچا۔ تھک جانے کی وجہ سے اس کے نتھنے پھول گئے ہیں۔ منہ سے جھاگ بہہ رہی ہے۔ جلد جلد سانس لینے کی وجہ سے وہ بُری طرح ہانپ رہا ہے۔ پسینے سے بدن تر بتر ہو گیا ہے۔ گرمی کا بہت زور ہے۔ ہوا کا کہیں نام نہیں۔ اور منزل ابھی دور ہے ـــــــــــــــــــــــــــ بہت دور۔

کئی کھیت، جوہڑ، میدان اور لاتعداد جھاڑیاں پھاند کر آدیا دت ایک کچی سڑک پر آپہنچے۔ اور انہوں نے گھوڑے کو پھر تیر کی طرح چھوڑا۔ اس کی گردن کو ایک بار تھپ تھپا کر اور حوصلہ دے کر بولے "سگریو!"

گھوڑے نے حیران ہو کر کان کھڑے کر لئے۔ اور گردن ٹیڑھی کر کے مالک کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد وہ خوب زور سے ہنہنا اُٹھا۔ اور باگ ڈھیلی کرکے بھاپ کی طرح سانس اوپر کی طرف پھینکتا ہوا دوڑنے لگا۔ وہ ہوا کے دوش پر اڑا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار اس قدر تیز تھی، کہ آدیا دت کو سڑک کے کناروں کے درخت بھی صاف طور پر نہیں دکھائی دیتے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھنے سے معلوم

ہوتا تھا۔ جیسے ڈھیر کے ڈھیر تارے آگ کی چنگاریوں کی طرح بڑی تیزی سے اڑ رہے ہیں۔ کرۂ ہوائی میں بھی جنبش ہونے لگی۔ اور ہوا نیلے آکاش میں لہرا لہرا کر اس کے شیرازے کو منتشر کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

جب تین پہر رات گذر گئی۔ ولی عہد تکان سے چور، پسینے سے شرابور، سمل تلی جیٹ کے پھاٹک پر آ کھڑے ہوئے۔ نیچے اترتے ہی گھوڑا پچھاڑ کر زمین پر ہمیشہ کے لئے لیٹ گیا۔ اُدیادت نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ اس کا منہ سیدھا کر کے اوپر اٹھایا۔ اور بار بار 'سگریو' کہہ کر اسے پکارا۔ لیکن اس میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اس نے آخری دم تک نہایت ہی وفاداری سے مالک کی خدمت کی ——— شاید وہ مالک کے ارادوں سے بے خبر تھا۔ اس لئے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ولی عہد کے دل پر ایک چوٹ لگی۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر زور سے پھاٹک پر دھکا دیا۔ لیکن ان کے بار بار دھکا دینے پر بھی جیٹ کے محافظ نے پھاٹک نہ کھولا۔ اس پر انہیں کچھ مایوسی ہوئی۔ اور وہ پھاٹک کھولنے کی کوئی ترکیب سوچنے لگے۔ مگر تھوڑی دیر بعد کسی نے کھڑکی سے جھانک کر کہا۔

"کون ہو تم؟ ——— کیا کام ہے اس وقت ..... کیوں پھاٹک کو دھکیل رہے ہو؟"

ولی عہد: "ایک ضروری کام ہے۔ ذرا پھاٹک کھولو ...."

محافظ: "پھاٹک کھولنے کی کیا ضرورت ہے .... جو کچھ پوچھنا ہے وہیں سے پوچھ لو ...."

ولی عہد: "کیا رائے گڈھ کے راجہ وسنت رائے یہاں ہیں؟"

محافظ: "نہیں! .... آج شام کو انہیں یہاں پہنچنا تھا۔ لیکن اب تک نہیں آئے ..... معلوم ہوتا ہے کسی وجہ سے وہ نہیں آسکے ———

"یہ کیوں پوچھتے ہو؟"

ولی عہد نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیتے ہوئے دو روپے نکالے اور انہیں بجا کر کہا۔

"یہ لو ——"

محافظ نے جلد ہی پھاٹک کھول دیا۔ اور روپے لے لئے۔ تب ولی عہد نے کہا۔" بھیا! میں ذرا تمہاری چھٹی دیکھنا چاہتا ہوں —— تم فکر نہ کرو۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کون کون اس چھٹی میں اس وقت موجود ہیں

محافظ نے شک آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔" نہیں مہربان —— یہ نہ ہو سکے گا۔"

ولی عہد:" اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں راجدھانی کا ایک افسر ہوں۔ اور دو ملزموں کی تلاش میں یہاں تک آیا ہوں"

یہ کہہ کر ولی عہد چھٹی میں داخل ہو گئے۔ محافظ نے اب کسی طرح کی روک ٹوک نہیں کی۔ انہوں نے چھٹی کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ لیکن نہ تو وسنت لال نظر آئے۔ اور نہ ہی ان کے نوکر چاکر دکھائی دئے۔ اس کے علاوہ نہ ہی کوئی پٹھان وہاں موجود تھا۔ صرف دو نوجوان عورتیں محوِ خواب سپنے میں مسکرا رہی تھیں۔ وہ چونک کر جاگ اٹھیں اور ولی عہد کو دیکھ کر کہا۔

"ہٹو۔ کون ہو تم؟ اور کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟"

ولی عہد نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ چھٹی سے باہر نکل آئے۔ اور راستے پر کھڑے ہو کر بحرِ تفکرات میں غوطہ زن ہوئے۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگے:" یہ تو اچھا ہی ہوا۔ کہ وہ آج یہاں نہیں آئے.... لیکن —— اگر وہ اس کے مشرق میں کسی اور چھٹی میں ٹھہرے ہوں۔ اور پٹھان ان کی تلاش میں

وہاں تک پہنچ گئے ہوں۔ تو ——" اس طرح کی کئی باتیں سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگے۔ کچھ دور جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا دوڑائے آ رہا ہے۔ جب وہ نزدیک پہنچا۔ تو ولی عہد نے ذرا رُعب سے کہا "ٹھہرو! کون ہو تم —— (پھر ذرا پہچان کر) رتن ہو؟"

سوار نے جلد ہی گھوڑا روک لیا۔ اور نیچے اُتر آیا۔ ولی عہد کو پرنام کر کے کہا۔ "جی ہاں! میں رتن ہی ہوں —— مگر آپ اتنی رات میں —— یہاں کیسے؟"

ولی عہد: "یہ پھر بتاؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ دادا جی کہاں ہیں؟"

رتن: "وہ اِسی چھٹی میں ہوں گے۔ ان کا پروگرام تو یہی تھا۔"

ولی عہد (حیرانی سے) "ہیں! یہ کیا —— یہاں تو وہ نہیں ہیں۔"

رتن نے بے تابی سے کہا۔ "آج سویرے وہ تیس نوکروں کے ہمراہ یشوہر روانہ ہوئے ہیں۔ میں ایک ضروری کام کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے آج شام کو اس چھٹی میں ملنے کے لئے کہا تھا۔"

ولی عہد: "کچھ عجیب معاملہ ہے —— اچھا اپنا گھوڑا مجھے دو۔ میں ان کی تلاش میں جاتا ہوں۔ اور تم —— تم پیدل ہی چلے جاؤ۔"

---

(۴)

سنسان و بیابان —— بالکل ہی غیر آباد جگہ میں سڑک کے کنارے

پیپل کے ایک گھنے درخت کے نیچے ایک پالکی میں وسنت رائے بیٹھے ہیں۔ ان کے نوکر چاکر نہ معلوم کہاں چلے گئے ہیں۔ صرف ایک پٹھان پالکی سے ذرا دور ہٹ کر بیٹھا ہے۔ رات کافی جا چکی ہے۔ کہیں بھی کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اچانک ہی وسنت رائے نے پوچھا:۔

"خان! تم کیوں نہیں گئے؟"

پٹھان: "حضور! میں کیسے جاتا؟ آپ نے ہمارے دھن دولت اور عزیز و اقارب کی حفاظت کے لئے اپنے تمام آدمی بھیجدئے ہیں، اور میں آپ کو اس بھیانک رات میں اکیلا چھوڑ کر چل دیتا، تو کیا یہ مناسب تھا؟ ہم لوگ اس قدر خود غرض نہیں ہیں ——— آپ جانتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے "جو میری برائی کرتا ہے۔ وہ میرا قرض دار ہے۔ دوسرے جنم میں مجھے اپنا قرضہ وصول کرنا پڑے گا۔ اور جو میری بھلائی کرتا ہے۔ اس کا میں قرض دار ہوں۔ اور اس کا یہ قرضہ میں کبھی نہ چکا سکوں گا۔"

وسنت رائے کو پٹھان کی یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ "آدمی تو خوب معلوم ہوتا ہے۔" کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا سر پالکی سے باہر نکالا اور کہا:۔

"خان! تم آدمی تو اچھے معلوم ہوتے ہو؟"

پٹھان نے جھٹ جھک کر سلام کیا۔ وہ بھی اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھتا تھا۔

وسنت رائے نے مشعل کی روشنی میں پٹھان کا چہرہ دیکھ کر پھر کہا:۔

"معلوم ہوتا ہے تم کسی اچھے خاندان کے آدمی ہو۔"

پٹھان نے پھر سلام کر کے کہا۔ "مہاراج کا ارشاد بالکل بجا ہے۔"

وسنت رائے: "لیکن اب کیسے گذر ہوتی ہے؟"

پٹھان نے لمبی سانس لے کر کہا "حضور! حال نہ پوچھئے ——— خدا دشمن کو بھی یہ وقت نہ دکھائے۔ تنگدستی نے بالکل ہی پیس ڈالا ہے ——— اب تو جناب صرف کھیتی باڑی پر گذران ہوتا ہے۔ مہاراج! ایک شاعر کا قول یاد آگیا۔ جس نے کہا ہے۔ " اے قسمت! تم نے دوب کو اتنا چھوٹا بنایا تو یہ تمہاری تنگدلی نہیں ——— لیکن پیپل کا درخت اتنا بڑا بنا کر اسے آندھی سے نیچے گرا کر دوب کے برابر زمین پر سُلا دیا۔ اس سے تمہاری سنگدلی ضرور ظاہر ہوتی ہے "

وسنت رائے خوش ہو کر بولے " واہ واہ! کیا کہنے۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ——— یہ دونوں باتیں جو ابھی تم نے کہی ہیں۔ لکھ کر دینی ہوں گی "

پٹھان کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی تقدیر پھولوں کی مالا لئے اس کے گلے میں ڈالنے کے لئے خود اس کے قدموں میں آپہنچی ہے۔ اس نے سوچا۔ کہ یہ بوڑھا رئیس تو بہت ہی رنگیلا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے تو غریبوں کا بہت بھلا ہوتا ہوگا "

وسنت رائے نے اپنے دل میں کہا۔ آہ۔ جس کے دروازے پر ہاتھی جھولتے ہوں۔ آج اس کی یہ دُرگت۔ مایا کے کھیل نیارے ہیں ——— آخر ایک دن میں سائے بھی تو دو ہوتے ہیں۔ تج جو شاہ ہے۔ کل گدا بھی ہو سکتا ہے۔ آخر انہوں نے بے تاب ہو کر پٹھان سے کہا۔

" تمہارا بدن مضبوط اور سڈول ہے۔ اس لئے تم بڑی آسانی سے فوج میں بھرتی ہو سکتے ہو ——— "

پٹھان فوراً بول اُٹھا " جی ہاں حضور! کیوں نہیں ہو سکتا ——— میرے باپ دادا اور پردادا سب تلوار ہاتھ میں لے کر مرے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے ——— "

وسنت رائے نے ہنستے ہوئے کہا " شاعر کی بات رہنے دو۔ اگر تم میری بات

بن لو تو تلوار ہاتھ میں لے کر مرنے کا ارادہ پورا ہو سکے گا ــــ لیکن اس تلوار کو
کبھی میان سے باہر نکالنے کی ضرورت نہ ہوگی ــــ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں ۔
رعایا سکھ چین سے ہے ۔ ایشور نہ کرے کہ کبھی لڑائی کی نوبت آئے ــــ ایک
مدت ہوئی ۔ میں نے بھی تلوار کو اپنے ہاتھ سے الگ کر دیا ہے ۔ اب بھلا اس کو ہاتھ میں
لینے کی ضرورت ہی کیا ہے ــــ اس کی جگہ اب ایک اور چیز نے لے لی ہے ۔"
یہ کہہ کر انہوں نے بغل میں رکھے ہوئے ستار کے تاروں پر ایک دو بار انگلی پھیری ۔
پٹھان نے سر ہلا کر کہا " حضور! آپ بالکل بجا فرماتے ہیں ..... تلوار سے دشمن
جیتا جا سکتا ہے ۔ لیکن گانے سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے ۔"
وسنت رائے ۔" خاں صاحب ، کیا کہا ..... سنگیت سے دشمن بھی دوست
بن جاتا ہے ــــ واہ ! کیا کمال ہے ۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے ۔ ان کے خیالات
کے تاروں میں بھی ارتعاش پیدا ہو گیا ۔ فضا پر ایک وحشت زا سکوت طاری تھا ۔ ان
کے دل میں درد و کرب کی لہریں اُٹھنے لگیں ۔ کچھ دیر بعد سوچ کر بولے ۔" تلوار جو اتنی
بڑی بھیانک چیز ہے ، اس سے دشمن کی دشمنی کا خاتمہ نہیں ہوتا ، ..... یہ کیسے کہوں ،
ــــ کہ خاتمہ ہوتا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ مریض کو مار کر مرض کو ختم کرنا کیا تندرست
کرنا کہلائے گا ــــ لیکن موسیقی ــــ دیہاتی دوشیزہ کے الھڑ شباب
کی طرح پُرکشش اور آبِ کوثر کی طرح شیریں ہے ــــ ایک ایسی چیز ہے جس سے
دشمن ختم کئے بغیر بھی دشمنی کا خاتمہ ہو جاتا ہے ..... یہ کیا کوئی معمولی بات ہے ؟"
بوڑھے وسنت رائے اتنے جوش میں آ گئے کہ پالکی سے پاؤں باہر نکال کر
بیٹھ گئے ۔ انہوں نے پٹھان کو نزدیک آنے کا اشارہ کیا ۔ اور کہا " کس قدر تعجب
کی بات ہے کہ گولے سے دشمن جیتا جاتا ہے ۔ لیکن موسیقی سے دشمن بھی دوست
بن جاتا ہے ۔"

پٹھان :" جی ہاں! حضور واقعی تعجب کی بات ہے ۔"

وسنت رائے :" اچھا۔ تم ایک بار رائے گڑھ آنا۔ یشوہر سے لوٹ آنے پر تمہارے لئے مناسب بندوبست کروں گا ۔" پٹھان خوشی سے پھول گیا۔ اور کہا۔ " آپ چاہیں تو کیا نہیں کر سکتے ۔" اور پھر دل ہی دل میں ہنسا کہ کیسی اچھی چڑیا پھندے میں پھنسی ہے۔ پھر ظاہرا کہا :" سرکار ستار تو بجاتے ہوں گے ۔"

وسنت رائے نے " ہاں " کہہ کر انگلی میں مضراب پہنی ۔ ستار کے تار برہمن کے چوٹ کھائے ہوئے دل کی طرح تھرا اُٹھے ۔ فضا میں موسیقی رقص کرنے لگی ۔ درخت پر بسیرا کرنے والے ایک دو پرندے ڈر کے مارے پھڑ پھڑا اُٹھے ۔

وسنت رائے راگ بجا رہے تھے ۔ اور پٹھان سر ہلا ہلا کر" واہ واہ! کیا کہنا ہے .... بہت خوب " کا شور مچا رہا تھا ۔ نغمے نے وسنت رائے کے جذبات کو متحرک کر دیا ۔ اور ان کو پالکی میں بیٹھے رہنا دوبھر معلوم ہونے لگا ۔ وہ پالکی سے باہر نکل آئے ۔ اور ستار بجانے میں اس قدر محو ہو گئے کہ وہ اپنا شاہانہ وقار اور تمام شان و شوکت بھول گئے ۔ ستار بجانے کے ساتھ ساتھ یوں تان لینے لگے :۔

" کیسے کاٹوں گی رین ــــــ پیا بنا "

گانا ختم ہونے پر پٹھان بول اٹھا ۔" واہ صاحب واہ! سبحان اللہ! کیسا رسیلا گلا پایا ہے آپ نے ۔"

وسنت رائے :" گلا تو میرا اتنا اچھا نہیں ۔ در اصل بات یہ ہے کہ کھلے میدان میں سب کی آواز اچھی معلوم ہوتی ہے ــــــ میں نے سیکھنے کی کوشش تو بہت کی ۔ لیکن پھر بھی لوگ میرے گانے کی کوئی زیادہ تعریف نہیں کرتے ۔ اور اگر سچ پوچھئے تو اس سے ہوتا ہی کیا ہے ــــــ قدرت نے جتنی بیماریاں بنائی ہیں ۔ ان کا ایک نہ ایک علاج بھی ضرور ہے ۔ اسی طرح جتنی آوازیں ہیں ۔ ان کو پسند

کرنے والا بھی ایک نہ ایک ضرور ہے۔ جن کو میرا گانا اچھا لگتا ہے۔ ایسے دو آدمی اب بھی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں یہ دکانداری کب کا سمیٹ چکا ہوتا۔ وہ دونوں گاہک اتنے سمجھدار نہیں ہیں۔ انہیں اس چیز کی پہچان نہیں ہے۔ اس لئے میرے گانے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں —"

پٹھان بظاہر تو وسنت رائے کی طرف متوجہ تھا۔ لیکن اس کا دماغ کش مکش کی عمیق گھاٹیوں میں سرگرداں تھا۔ اور وہ ان سے باہر نکلنے کی تدابیر سوچ رہا تھا۔

وسنت رائے نے اپنی بات جاری رکھی۔

"مجھے بھی ان کے بغیر چین نہیں آتا۔ بہت دنوں سے ان کے فراق میں نڈھال ہو رہا ہوں۔ اس لئے ساز سنگیت میں جی نہیں لگتا۔ سچ پوچھو تو اب ان ہی کی کشش مقناطیس کی طرح مجھے کھینچ رہی ہے۔ اور میں ان کی طرف دوڑا جا رہا ہوں۔ وہاں جاکر ساون کی جھڑی کی طرح موسیقی کا مینہہ برسادوں گا۔ اور اپنے دل کا بوجھ دھو ڈالوں گا — پھر مسرت کا چاند اپنی نورانی کرنوں سے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائے گا — ڈھلی ہوئی چاندنی میرے دل کے ظلمت کدے کو منور کردے گی۔ اور پھر — پھر ان تمام باتوں کے نقوش ذہن میں محفوظ کرکے اپنے گھر لوٹ آؤں گا۔"

بوڑھے وسنت رائے کی آنکھیں فرطِ مسرت اور محبت کے جذبات سے چمکنے لگیں۔ ان کے خاموش ہو جانے پر پٹھان چونک پڑا۔ جیسے کسی نے خواب گراں سے جگا دیا ہو۔ پہلے تو وہ کچھ بڑبڑایا۔ پھر دل ہی دل میں کہا: "آپ کا کچھ حوصلہ تو ابھی پورا ہو چکا ہے۔ آپ نے گا بجاکر اپنے دل کو بہلا لیا ہے — باقی رہا جی کا بوجھ تو وہ میں ہمیشہ کے لئے ہلکا کردوں گا...... توبہ توبہ! مگر ایسا کام بھی کوئی کرتا ہے۔ کافروں کو مارنے میں ثواب تو ہے۔ لیکن یہ ثواب میں اس قدر کر چکا ہوں کہ اب عاقبت

کے لئے زیادہ ضرورت نہیں ــــــ اس وقت ہوا کا رُخ ساحل کی طرف ہے۔ اور کشتیٔ مراد جلد کنارے لگ سکتی ہے۔ اس لئے یہ بہتر رہے گا کہ اس کافر کو مارنے کی بجائے اس سے اپنا کوئی کام نکال لوں۔"

وسنت رائے اپنا جوش زیادہ دیر نہ دبا سکے۔ ان کے خیالات کے جوار بھاٹے نے کناروں کو توڑ دیا۔ اور وہ پٹھان کے بالکل ہی پاس جا کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ تم انہیں جانتے ہو؟ ــــــ وہ ایک میرا پوتا ہے۔ اور دوسری پوتی ــــــ"

نوکروں کے آنے میں دیر ہوتی دیکھ کر وسنت رائے کے دل کو اندیشوں نے گھیر لیا۔ اور وہ دریائے تفکر میں ڈوب گئے۔ کچھ دیر بعد ستار لے کر گنگنانے لگے۔ اتنے میں ایک سوار نے سامنے آ کر کہا " اوہ! اب میرا جی ٹھکانے لگا ــــــ دادا جی! اتنی رات گئے آپ کس کو گا نا سنا رہے ہیں اور پھر اس بیابان میں ــــ"

وسنت رائے نے حیران ہو کر ستار اپنی پالکی کے اوپر رکھ دیا۔ اور ادیادت کا ہاتھ پکڑ کر گھوڑے سے نیچے اُتارا۔ گلے لگا کر خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ اور پوچھا کیا حال ہے۔ گھر کے سب لوگ تو اچھی طرح ہیں نا ــــــ مگر تم اس وقت......"

ادیادت :- جی ہاں! بالکل خیریت ہے :

وسنت رائے فرطِ مسرت سے جھومنے لگے۔ پھر ستار ہاتھ میں لے کر بجانا شروع کر دیا۔ ادیادت نے اچانک پٹھان کی طرف دیکھا۔ اور اسے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے بجلی گر پڑی ہو۔ کچھ دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا۔ اور وسنت رائے کے کان کے پاس منہ لے جا کر پوچھا۔" یہ پٹھان آپ کے پاس کہاں سے آیا؟"

وسنت رائے۔ خان صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں ــــــ اور سمجھدار

بھی ہیں۔ ان کے ساتھ آج کی رات بڑی خوشی سے کٹے گی۔"

ادیادت کو دیکھ کر پٹھان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ تمام چیزیں اس کو گھومتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ اس کا طائرِ خرد ایک جال میں پھنس گیا ـــــــ اب وہ کیا کرے ..... اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

ادیادت کچھ دیر خاموش رہ کر بولے۔" آپ چھٹی کی بجائے یہاں کیوں ٹھہر گئے؟"

پٹھان اب خاموش نہ رہ سکا۔ وہ یکایک بول اٹھا۔" حضور! قصور معاف کریں .... تو ایک عرض کروں ـــــــ ہم مہاراج پرتاپ دت کی رعایا ہیں۔ مہاراج نے مجھے اور میرے بھائی کو حکم دیا ہے کہ جب .... اُن کے چچا .... وسنت رائے .... یشوہر کی طرف آنے لگیں .... تب انہیں .... را..... ستے میں ..... قتل کر دیا جائے ....." وسنت رائے یہ سُن کر چونک پڑے اور بولے " رام رام"۔

ادیادت:" پھر؟"

پٹھان۔ حضور! ہم لوگ کبھی ایسا کام نہیں کرتے۔ مہاراج نے ہمارے عذر کرنے پر ہمیں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ تب لاچار ہو کر ہم اس کام کے لئے روانہ ہوئے۔ اور یہاں راستے میں ان سے ملے۔ میرا بڑا بھائی ان کے تمام نوکروں کو ورغلا کر ساتھ لے گیا ہے۔ اس نے بہانہ یہ کیا ہے کہ گاؤں میں ڈاکہ پڑا ہے۔ وہ تمام آدمیوں کو لے کر چلا گیا۔ اور باقی کام کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال گیا ہے .... اگرچہ میرے راجہ صاحب کا حکم ان کو موت کے گھاٹ اتار کر واپس آنے کا ہے۔ تو بھی ایسا کام مجھ سے کبھی نہیں ہو سکتا ـــــــ ایسے نیک اور رحمدل راجہ کو مارنا ایک بہت بڑا گناہ ہے ـــــــ داناؤں کا قول ہے کہ" مالک کے حکم سے ساری دنیا کو ہلاک کر ڈالو۔ لیکن خبردار! جنت کے ایک کونے کو بھی نہ بگاڑنا۔" اب غلام حضور کی خدمت میں حاضر ہے۔ مہاراج کے حکم کی تعمیل کئے بغیر یشوہر لوٹ جانے پر ہماری خیر نہیں

آپ ہماری حفاظت نہ کریں گے۔ تو ہمارے بچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔"
یہ کہہ کر وہ ادیادت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ پٹھان کی یہ بات سن کر وسنت رائے کے تو ہوش اُڑ گئے۔ وہ بُت کی طرح خاموش کھڑے رہے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش و حواس قائم کر کے انہوں نے پٹھان سے کہا۔
"میں تمہیں ایک خط دیتا ہوں۔ تم یہاں سے سیدھے رائے گڑھ چلے جاؤ۔ میں ایشوہر سے لوٹ کر تمہارے گذارے کا انتظام کر دوں گا۔"

ادیادت - دادا جی! آپ ایسی حالت میں بھی ایشوہر جانا چاہتے ہیں؟"

وسنت رائے - ہاں۔ مجھے جانا ہی چاہیے"

ادیادت - کیوں ـــــ؟

وسنت رائے - پرتاپ کتنا ہی قصور کیوں نہ کرے۔ لیکن پھر بھی میرا بھتیجا ہے عزیزوں کی غلطیاں ہمیشہ نظر انداز کرنی پڑتی ہیں ـــــ مجھے اب مرنے جینے کی پرواہ نہیں۔ میری کشتیٔ حیات تو اب کنارے لگ چکی ہے۔ زندگی کے چند دن باقی رہ گئے ہیں ـــــ کیا معلوم تارِ نفس کب ٹوٹے۔ اور کب خاتمہ ہو جائے۔ لیکن مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ میرے خون سے پرتاپ کے دونوں جہان بگڑیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایک بار اس کو مل کر بھلا بُرا سمجھا دوں۔"

یہ کہتے کہتے وسنت رائے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ادیادت نے بھی دونوں ہاتھوں سے اپنی اشک آلودہ آنکھیں ڈھانپ لیں۔ عین اسی وقت شور و غل سے آسمان کو سر پر اُٹھائے وسنت رائے کے نوکر بھی آپہنچے۔ اور بیک آواز کہنے لگے "مہاراج کہاں ہیں ـــــ مہاراج کہاں ہیں؟"

وسنت رائے "۔ اسی جگہ ہوں۔ اور کہاں جاؤں گا۔" پھر وہ بڑی گھبراہٹ سے نوکروں کے درمیان کھڑے ہو کر بولے۔

"ہاں خبردار! اس پٹھان کو کچھ نہ کہنا ـــــــ"

ایک نوکر" مہاراج! آج ہمارے دُکھ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ آج وہ ـــ"

دوسرا۔" تم ٹھہرو نا۔ میں سب باتیں اچھی طرح سمجھا کر کہتا ہوں .....

وہ ظالم پٹھان ہم لوگوں کو سیدھا لے جا کر آخر بائیں طرف ایک آم کے باغ میں...."

تیسرا:" ارے وہ آم کا باغ نہیں تھا۔ ببولوں کا جنگل تھا....."

چوتھا۔ وہ بائیں طرف نہیں، دائیں طرف تھا۔"

دوسرا۔ وہ بائیں ہاتھ کی طرف ــــــ"

چوتھا:" اچھا تمہاری ہی بات سہی۔ وہ بائیں طرف تھا۔"

دوسرا:" بائیں ہاتھ کی طرف نہ ہوگا تو وہ تالاب ....."

ادیادت:" ہاں ہاں وہ بائیں طرف ہی معلوم ہوتا ہے۔ آگے کہو۔ اس کے بعد کیا ہوا۔"

دوسرا۔" جی ہاں! وہ پٹھان اس بائیں طرف والے آم کے باغ میں سے گذر کر ہمیں ایک میدان میں لے گیا۔ ہم اس کے ساتھ کئی کھیت، میدان، باغ، تالاب اور نہ معلوم کتنا فاصلہ طے کر گئے۔ مگر گاؤں کا کہیں نشان نہ ملا۔ اس کے بعد وہ بدمعاش ہم کو تین چار کوس پھرا کر کہیں بھاگ گیا۔ اب اس کا کچھ بھی پتہ نہیں۔"

پہلا:" اس بدمعاش کو دیکھ کر میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔"

دوسرا:" میں بھی تاڑ گیا تھا کہ وہ کچھ ایسا ہی ہوگا۔"

تیسرا:" جب میں نے اسے نزدیک سے دیکھا تو مجھے بھی شک ہوا۔"

آخر ایک ایک کر کے سب نے یہ ظاہر کیا کہ وہ پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ وہ پٹھان ان کو دھوکہ دے رہا ہے۔

---

(۵)

پرتاپ دت نے کہا —— دیکھو دیوان! وہ دونوں پٹھان ابھی تک نہیں آئے۔"

منتری نے دھیرے سے جواب دیا: "مہاراج! اس میں تو میرا کوئی قصور نہیں۔"

پرتاپ دت نے جھڑک کر کہا "اس میں قصور کی کیا بات ہے —— دیر ہونے کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں۔ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

منتری ۔ مہاراج! سل تلی یہاں سے بہت دور ہے..... وہاں جانے اور کام کر کے آنے کے لئے کافی وقت چاہیئے۔"

پرتاپ دت کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس وقت جو خیالات ان کے دماغ میں ہیں۔ وہی خیالات منتری کے بھی ہونے چاہئیں۔ لیکن منتری ان کے دل کی گہرائی تک نہ پہنچ سکا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر انہوں نے کہا۔

"ادیادت کل رات کو کہیں گیا ہے نا۔"

دیوان: "مہاراج! یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔"

پرتاپ دت ۔ "پہلے ہی عرض کر چکے ہو۔ کیا تم نے ٹھیک وقت پر کہا تھا... کسی وقت خبر دے دی۔ اور بس تمہارا کام پورا ہو گیا —— لیکن ادیادت پہلے تو ایسا نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے شری پور کے زمیندار کی لڑکی نے اس کو یہ صلاح دی ہوگی...... تم کیا خیال کرتے ہو؟"

دیوان ۔ "حضور! میں یہ کیسے کہوں...."

پرتاپ دت ۔ "ہم تم سے کتھا نہیں سننا چاہتے۔ اور نہ ہی ہمیں تمہارے پند و نصائح

کی ضرورت ہے۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

دیوان: "آپ مہارانی صاحبہ سے بہوجی کی سب باتیں سنتے ہوں گے۔ اسلئے آپ ان کے متعلق ٹھیک اندازہ قائم کر سکتے ہیں۔ میں کیا رائے دوں گا......"

اسی وقت چوبدار نے اطلاع دی کہ ایک پٹھان مہاراج کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ پٹھان کو حاضر ہونے کی اجازت مل گئی۔ اور وہ کمرے میں آ پہنچا۔

پرتاپ دت نے اس سے پوچھا۔ "کیا ہوا۔ کام پورا ہو گیا؟"

پٹھان۔ جی ہاں حضور! اتنی دیر میں کام ہو گیا ہو گا"

پرتاپ دت: "کام ہوا یا نہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں"

پٹھان: مہاراج! معلوم کیوں نہیں۔ کام ہو چکا ہے اس میں شک نہیں.... سچ بات یہ ہے کہ میں اس وقت وہاں موجود نہ تھا"

پرتاپ دت: "تو تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ کام ہو چکا ہے؟"

پٹھان: "میں آپ کے حکم کے مطابق ان کے نوکروں اور ساتھیوں کو ان سے دور ہٹا کر چلا آ رہا ہوں...... حسین خاں نے کام کر دیا ہو گا"

پرتاپ دت: "اگر نہ کیا ہو تو....؟"

پٹھان: مہاراج! خدمت میں غلام کا سر حاضر ہے"

پرتاپ دت: "اچھا یہاں رہو۔ تمہارے بھائی کے لوٹ آنے پر انعام ملیگا"

پٹھان وہاں سے ہٹ کر دروازے کے پاس پہرے داروں کی زیر نگرانی بیٹھ گیا۔ پرتاپ دت کافی دیر خاموش رہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سرگوشی کے لہجے میں دیوان سے کہا: اس بات کا خیال رکھو کہ یہ بات رعایا پر ظاہر نہ ہو"

دیوان: "آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکے گی"

پرتاپ دت - "وہ کیسے؟"

دیوان :" مہاراج ! اس سے پہلے آپ ان کے ساتھ دشمنی ظاہر کر چکے ہیں۔ راجکماری کی شادی کے جشن پر آپ نے ان کو دعوت نہ دی۔ اور وہ بن بلائے آگئے تھے۔ آج آپ نے یکایک بغیر کسی کام کے انہیں بلا بھیجا۔ ان حالات میں رعایا اس واقعے کی تہ میں آپ کا ہاتھ ہی سمجھے گی ۔"

پرتاپ دت نے تیوری چڑھا کر کہا :" دیوان ! تمہارا مطلب ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس بات کے ظاہر ہو جانے پر تمہیں خوشی ہوگی۔ ہماری بدنامی پھیلنے سے ہی تمہیں فائدہ ہو سکتا ہے ——— اگر یہ بات نہیں تو تم دن رات اس بات پر زور کیوں دیتے ہو کہ یہ بات تو ظاہر ہو گی ہی ——— حالانکہ ایسا ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بشرطیکہ تمہارا ارادہ اس بات کے ظاہر نہ ہونے پر گھر گھر ڈھنڈورا پیٹنے کا نہ ہو..... کیوں ؟ ہے نا یہی بات ۔"

دیوان :" مہاراج ! معاف کریں۔ اگر میرے متعلق آپ کا یہی خیال ہے۔ تو آپ کو صلاح دینا میرے جیسے بے وقوف لوگوں کی سراسر نادانی ہے۔ آپ ہی نے مجھے یہ عزت بخشی ہے۔ اسی حوصلہ پر اپنی ناقص عقل کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھتا ہوں آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔ اس سے اگر آپ ناراض ہوتے ہیں۔ تو بیشک مجھے اس عہدۂ وزارت سے الگ کر دیں ۔"

اب پرتاپ دت ٹھکانے پر آئے۔ جب کبھی منتری انہیں ایک آدھ کڑوی بات سُنا دیتا، تب وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے اور اس کی اس جرأت پر حیران رہ جاتے۔ اب بات کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر ان دونوں پٹھانوں کو قتل کرا دیا جائے۔ تو اس بات کے افشا ہونے کا ڈر جاتا رہے گا ۔"

دیوان :" مہاراج ! ایک خون کا چھپانا تو پہلے ہی مشکل نظر آرہا ہے۔ تین

خون چھپا رکھنا بالکل ہی ناممکن بات ہے ——— رعایا ہر حالت میں اس بات کو معلوم کرے گی "

پرتاپ دت (نفرت سے) اوہ! یہ بات ہے تو پھر ہمیں ڈر کے مارے گھر چھوڑ کر ابھی بھاگ جانا چاہیے ——— رعایا معلوم کرلے گی۔ یہ ایشوہرپ والے گڑھ نہیں۔ یہاں رعایا کا راج نہیں ...... راجہ ہی سب کچھ ہے۔ اس لئے ہمیں رعایا کی کچھ پرواہ نہیں۔ اور اگر اس معاملے میں ہمارے خلاف کسی نے بھی کوئی بات کی، تو ہم اس کی زبان کھینچ لیں گے۔"

دیوان مہاراجہ کے بھولے پن پر دل ہی دل میں ہنسا اور کہا۔" رعایا کی زبان کا اتنا ڈر ہوتے ہوئے بھی اپنے دل کو تسلی دے رہے ہیں۔ کہ ہم کسی سے نہیں ڈرتے "

پرتاپ دت نے پھر کہا " کریا کرم سے فارغ ہو جانے کے بعد لوگوں کو ساتھ لے کر ایک دفعہ راۓ گڑھ جانا ہوگا ...... ہمارے بغیر راۓ گڑھ کے تخت کا وارث اور تو کوئی نہیں دکھائی دیتا ——— "

ابھی یہ الفاظ پرتاپ دت کی زبان پر ہی تھے کہ بوڑھے وسنت راۓ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ پرتاپ دت چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ بھوت بن کر یہاں آیا ہے۔ ان کے لبوں پر مہر خاموشی ثبت ہو گئی۔ وہ ایک لفظ تک نہ بول سکے۔ ان پر رعشہ طاری ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وسنت راۓ نے ان کے قریب جا کر ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔ اور نہایت ہی دھیمی آواز سے کہا۔

" پرتاپ! مجھ سے کیا ڈر ——— میں تمہارا چچا ہوں۔ اس پر بھی اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو، تو یہ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ اور پھر اب تو میں بوڑھا ہو چکا۔ اتنا

طاقت مجھ میں نہیں کہ تمہاری راہ میں کانٹے بچھاؤں۔ یا تمہاری برائی کر سکوں۔"

پرتاپ دت کو اب ہوش آیا۔ لیکن کوئی بات بنا کر جواب دینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ بغلیں جھانکنے لگے۔ اور کچھ جواب نہ دے کر چپ ہو رہے۔ وہ اپنے چچا کو پرنام تک نہ کر سکے۔ وسنت رائے نے آہستہ سے پھر کہا۔

"پرتاپ! کچھ بھی تو بولو ـــــ اگر غلطی سے تم کوئی ایسا کام کر بیٹھے ہو جس سے تمہیں مجھے دیکھ کر شرم اور نفرت محسوس ہوتی ہو، تو اس کے لئے کچھ فکر نہ کرو۔ میں ان باتوں کا کبھی ذکر بھی نہ کروں گا ـــــ آؤ! ایک بار تمہیں گلے لگالوں۔ آج نہ معلوم تمہیں کتنے عرصے بعد دیکھا ہے...... تمہیں دیکھنے کے لئے اب میں زیادہ دنوں تک تھوڑے ہی بیٹھا رہوں گا۔"

اتنی دیر کے بعد پرتاپ دت نے چچا کو پرنام کیا۔ اور ان سے ملے۔ اس دوران میں منتری آہستہ آہستہ کمرے سے باہر ہو گئے۔ وسنت رائے نے مسکرا کر ایک دفعہ پھر پرتاپ دت کے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔

"پرتاپ! میں زندگی کی کئی بہاریں لوٹ چکا ہوں۔ اور اب میری زندگی کی شام ہو چکی ہے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اب موت کی تاریکی کیوں نہیں چھا جاتی ـــــ وقت تو پورا ہو چکا ہے۔ لیکن موت کا بلاوا کیوں نہیں آتا؟ اسے تو خدا ہی جانے۔ پھر بھی تم اس بات کا یقین رکھو کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے ـــــ"

وسنت رائے کچھ دیر چپ رہے۔ پرتاپ دت نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وسنت رائے نے پھر کہا۔

"سنو پرتاپ! میں سب باتیں مختصر طور پر کہوں گا ـــــ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرا خون کرنا چاہتے ہو۔ اگرچہ یہ بات میرے دل میں چھری کی نوک سے بھی زیادہ ناقابل برداشت دکھ دے رہی ہے۔ تو بھی میں تم سے ذرا بھی دشمنی نہیں رکھتا۔

میں تم سے صرف دو باتیں کہنے آیا ہوں۔ ایک تو یہ کہ تم میرے خون کا پاپ اپنے سر نہ لو۔ اس میں تمہارے لوک پرلوک دونوں جہان بگڑیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر تم نے اتنے دنوں تک میری موت کی انتظار کی ہے۔ تو کچھ دن اور بھی کرو۔ دو چار دنوں کی بات ہے۔ اس لئے تم کیوں اپنی عاقبت بگاڑتے ہو۔"

اس پر بھی پرتاپ دت کچھ نہ بولے۔ وسنت رائے نے جب دیکھا کہ پرتاپ دت نہ تو کچھ جواب دیتے ہیں، نہ ہی اپنا قصور مانتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی پرائسچت کے آثار ان کے چہرے پر دکھائی دیتے ہیں۔ تب انہوں نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا:۔

"پرتاپ! تم ایک بار رائے گڑھ چلو۔ وہاں گئے تمہیں کافی عرصہ گذر چکا ہے۔ اب تم دیکھو گے کہ وہاں بہت کچھ تبدیلی ہو چکی ہے۔ فوجیوں نے تلوار چھوڑ کر اب ہاتھ میں کدال لے لی ہے۔ جہاں فوجیوں کے لئے پہلے بارکیں تھیں۔ وہاں اب مہمان سرائے نظر آتے ہیں....."

اس اثنا میں پرتاپ دت نے دیکھا کہ پٹھان بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ دیکھکر وہ ضبط نہ کر سکے۔ کچھ دیر سے ان کے دل میں غصّے کی جو آگ سُلگ رہی تھی۔ وہ یکدم بھڑک اُٹھی۔ انہوں نے نہایت ہی کرخت آواز سے پہرے دار کو آواز دی اور کہا: "خبردار! وہ پٹھان بھاگنے نہ پائے۔ اس پر نگاہ رکھو۔" یہ کہہ کر وہ بڑی پھُرتی سے کمرے سے باہر آئے۔ اور منتری کو بلا کر کہا۔

"ہم اکثر کاموں میں تمہاری بڑی ہی لاپرواہی دیکھ رہے ہیں۔"

دیوان نے آہستہ سے کہا: "مہاراج! اس بات میں تو میرا کوئی قصور نہیں۔"

پرتاپ دت ذرا اونچی آواز سے بولے: "ہم کسی خاص بات کے متعلق فیصلہ نہیں نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم کہہ رہے ہیں کہ راج میں تمہاری بے پرواہی حد سے گذر چکی ہے ... چند دن ہوئے ہم نے ایک ضروری چٹھی تمہیں دی تھی۔ لیکن تم نے اپنی غفلت سے

ٹھکو دی ـــــــــ"

اس سے ڈیڑھ مہینہ پیشتر اس قسم کی ایک واردات اور بھی ہوئی تھی لیکن اس وقت مہاراجے نے دیوان کو اس چھٹی کے متعلق کچھ نہ کہا تھا - پرتاپ دت نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"اور ایک دن ہم نے تمہیں امنگ رائے کے پاس جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن تم نے کسی دوسرے آدمی کو بھیج کر کام نکال لیا ـــــــ"

دیوان :- "مہاراج! ....."

پرتاپ دت :- "خاموش رہو - اپنا قصور چھپانے کے لئے حیل و حجت کی ضرورت نہیں - جو کچھ بھی ہے ہم نے تمہیں خبردار کر دیا ہے لیکن بات کیا ہے۔ نظام حکومت میں تمہارا اپنا جی نہیں لگتا - یا تم خود کترانے ہو؟ ـــــــ"

غصے کا بادل جب بچارے دیوان پر برس چکا - تو پرتاپ دت نے پہرہ داروں کو بلایا۔ گذشتہ رات والے پہرہ داروں کی تنخواہ تو پہلے ہی کاٹ لینے کا حکم صادر ہو چکا تھا - اب ان کو قید کرنے کا حکم ہوا - اس کے بعد ناکامی کے غصے کا بادل جوش کی آندھی سے محل میں جا گرجا - پرتاپ دت نے مہارانی سے جا کر کہا:" ہم اپنے ہی گھر میں بڑی عجیب حالت دیکھ رہے ہیں - اودیا دت پہلے تو ایسا نہیں تھا - اب تو وہ اپنی مرضی سے جب چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے - وہ رعایا کی طرفداری کرتا ہے - اور جو کام بھی کرتا ہے - ہماری مرضی کے خلاف کرتا ہے - آخر ان باتوں کی وجہ کیا ہے؟"

مہارانی نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا:" مہاراج! اس کا کوئی قصور نہیں - ان سب برائیوں کی جڑ تو بڑی بہو ہے ـــــ میرا بچہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں تھا - وہ جس دن سے شری پور سے ڈولی لے کر آیا - کچھ اور ہی طرح کا ہو گیا ہے - کچھ سمجھ میں نہیں آتا ...."

مہاراج سُرما کو سختی کے ساتھ رکھنے کا حکم دے کر باہر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد مہارانی نے اسی وقت ادیا دت کو بلا بھیجا۔ اور ادیا دت کے آتے ہی اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگی: "آہ! میرا بچہ کس قدر کمزور ہو گیا ہے..... ذرا دیکھو تو —— رنگت بھی سیاہ پڑ گئی ہے —— بیاہ سے پہلے تو تمہارا چہرہ کندن کی طرح سرخ تھا۔ بیٹا! تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے.... معلوم ہوتا ہے یہ سب بہو کے کرتوت ہیں۔ تم اس کی باتوں کا بالکل ہی خیال نہ کیا کرو...."

سُرما گھونگھٹ نکالے قریب ہی کھڑی تھی۔

مہارانی نے بات جاری رکھی: "وہ نیچ خاندان کی ہے۔ کیا تم اسے اپنے قابل سمجھتے ہو؟ اس کی عقل ناقص ہے۔ بھلا وہ دنیا کے نشیب و فراز کیا جانے —— اور پھر تم خود سمجھدار ہو۔ وہ تمہیں کیا صلاح دے سکتی ہے.... وہ تمہیں کبھی ٹھیک مشورہ نہیں دے سکتی —— ہائے! مہاراج نے ایسی ڈائن کے ساتھ کیوں تمہارا بیاہ کر دیا...."

اتنا کہہ کر اس نے آنسو بہانا شروع کر دیا۔ ادیا دت کی کشادہ پیشانی پر پسینے کے قطرے دکھائی دینے لگے۔ وہ اپنی گھبراہٹ کو ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو دوسری طرف پھیر لیا۔ وہاں ایک بوڑھی نوکرانی بیٹھی تھی۔ وہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر کہنے لگیں: "شری پور کی عورتیں جادو بھی جانتی ہیں انہوں نے ضرور کمار پر جادو کر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ادیا دت کے قریب آئی۔ اور کہا: "کمار، بہو نے ضرور تم پر کچھ جادو سا کر دیا ہے —— تم اسے سیدھی سادی، بھولی بھالی نہ سمجھو۔ وہ شری پور کی رہنے والی ہے۔ وہ سب ڈائنیں ہوتی ہیں..... ہائے ہائے! کمار کے جسم پر کچھ بھی باقی نہ رہنے دیا ——"

اتنا کہہ کر اس بڑھیا نے ترچھی نگاہوں سے کچھ اس انداز سے سُرما کی طرف

دیکھا کہ ایک تیر سا سُرما کے دل و جگر کے پار ہو گیا۔ پھر ہاتھوں میں آنچل لے کر دونوں سوکھی آنکھوں کو رگڑتے رگڑتے سُرخ کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر مہارانی کے دُکھ میں ایکا ایک اُبال آیا۔ محل میں جتنی بڑھیا عورتیں تھیں سب نے باری باری رونا شروع کر دیا۔ اور مہارانی کے آس پاس اکٹھی ہو گئیں۔"

اودیاوت نے ملتجی نگاہوں سے سُرما کی طرف پیار سے دیکھا۔ سرما نے گھونگھٹ میں سے ہی انہیں دیکھا۔ اور آنکھیں پونچھ کر بغیر کچھ کہے سُنے آہستہ آہستہ اپنے محل میں چلی گئی۔

ایک دفعہ پھر تاریکی نے کائنات کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ دنیا کے کاروبار مدھم پڑ گئے۔ گناہوں کے ارمان مچلنے لگے۔ مہاراج جب محل میں پہنچے۔ تو مہارانی نے کہا :" آج میں نے اُدیا کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ وہ ایسا ویسا نہیں ہے۔ بلکہ سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے۔ آج اس کی آنکھیں کھول دی ہیں میں نے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

---

(۶)

دبھا کے چہرے پر دُکھ اور اُداسی کی تاریک گھٹا چھائی دیکھ کر سُرما کو بہت ہی دُکھ ہوا۔ اس نے دبھا کو گلے لگا کر کہا۔ " بہن ! آج تم اتنی اُداس کیوں ہو ؟ بولو نا ! کیا بات ہے ..... تمہیں کیا دکھ ہے۔ مجھ سے بھی نہ کہو گی ؟ "

دبھا پہلے تو کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر دھیرے دھیرے کہا : " مجھے جو دُکھ ہے

وہ کیا تم نہیں جانتیں ؟"

سُرما۔" ہوں! .... یہ تو میں جانتی ہوں۔ تم نے بہت دنوں سے نند دئی کو نہیں دیکھا۔ اور اس سے تمہارے دل کو دُکھ ہونا ہی تھا...... مگر ــــــ ہاں! تم ان کو یہاں آنے کے لئے ایک چٹھی لکھو نا ــــــ میں اس چٹھی کو تمہارے بھیا کی معرفت چپ چاپ بھجوا دینے کا بندوبست کر دوں گی۔"

یہ باتیں وبھا کے سوامی راجہ رام چندر رائے والیٔ چندر دیپ کے متعلق ہو رہی تھیں۔ وبھا کی آنکھیں جھک گئیں۔ اور وہ سر نیچا کر کے کہنے لگی:" اگر یہاں ان کی کوئی عزت نہ کرے ..... انہیں بُلانا ضروری نہ سمجھے، تو ان کا نہ آنا ہی اچھا ہے اگر وہ خود یہاں آنا چاہیں گے، تو میں انہیں روک دوں گی .... وہ بھی تو ایک دیش کے راجہ ہیں۔ یہاں ان کی مناسب عزت نہ ہوگی، تو وہ کیوں آئیں گے۔ بھلا وہ ہم لوگوں سے کس بات میں کم ہیں ــــــ" یہ کہتے کہتے وبھا کا گلا رُک گیا۔ شرم اور غصے کے مارے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

سُرما نے وبھا کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اور اس کے آنسو پونچھ کر کہا۔ " اچھا ایک بات بتاؤ۔ اگر تم مرد ہوتیں تو دعوت نامہ نہ ملنے پر کبھی سسرال نہ جاتیں ؟"

وبھا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں"

سُرما۔" لیکن اگر میں مرد ہوتی۔ تو ایسی حالت میں بھی چلی جاتی ،.... "

وبھا۔" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ با عزت بلادا پائے بغیر ہی چلے آئیں۔ نہیں کہو۔ اگر کوئی انہیں عزت کے ساتھ نہ بلائے گا تو وہ کیونکر آئیں گے ــــ"

ہمدردی کے چند الفاظ دل پر کچھ ایسا اثر کرتے ہیں۔ کہ انسان اپنا دُکھ درد خود بخود ظاہر کر دیتا ہے۔ یہی حالت وبھا کی ہوئی۔ اس نے اپنے دل کی بات

بھی ظاہر نہ کی تھی۔ لیکن آج وہ جوش میں آ کر بہت کچھ کہہ گئی۔ اب اسے اپنی باتوں کا خیال آیا۔ اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ " آج میں نے اپنی عزت کو بے صبری اور جوش کی لہروں کی نذر کر دیا۔ نہ جانے آج میں نے کیا کیا بک ڈالا.... آج میں شرم کی حد سے بھی باہر ہو گئی۔ یہ باتیں کہنا میرے لئے مناسب نہ تھا۔ یہ خیالات آتے ہی اس کے سینے میں نفرت اور دکھ کی جوالا بڑھنے لگی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے گھنے ریشمیں بالوں کے گچھے کو سلجھانے لگی۔ کچھ وقت اسی طرح گذر گیا۔ دونوں کے لبوں پر خاموشی طاری رہی۔ وبھا کی آنکھوں سے اشکوں کی دھارا بہہ رہی تھی۔ اور سُرما ان آنسوؤں کو اپنے آنچل میں جذب کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وبھا آہستہ آہستہ اُٹھی۔ اور جوش گریہ کو ضبط کر کے اپنے آنچل سے آنکھیں صاف کیں اور ذرا مسکرا دی۔ روتے روتے ہنس دینا اور ہنستے ہنستے رو دینا عورتوں کا ہی حصہ ہے۔ سُرما کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑے رہی۔ اب اس نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ " وبھا! سُنا ہے دادا جی بھی آئے ہیں۔"

وبھا: " کیا سچ ہے......؟"

سُرما: " ہاں "

وبھا نے نہایت ہی بے تابی سے پوچھا۔ " کب آئے ہیں؟"

سُرما: " شاید آج سویرے ہی؟"

وبھا: " لیکن وہ اب تک ہم کو ملنے کیوں نہیں آئے.... ؟"

وبھا کے دل کو اس بات سے بہت ہی دُکھ ہوا۔ وہ دادا جی سے ملنے کے لئے نہایت ہی بے تاب رہا کرتی تھی۔ اب اسے پھر خیال آ گیا کہ ایک دفعہ پہلے بھی دادا جی ادیا دت کے ساتھ بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے تھے۔ اور اس کو تین گھڑی تک ملاقات کی انتظار میں رکھا تھا۔ اس خیال سے وبھا کو اور بھی دُکھ ہوا۔

اگرچہ اس وقت وہ اس بات کے متعلق بالکل خاموش رہی تھی۔ پھر بھی دادا جی سے ملاقات کے وقت رد کھاپن ظاہر کیا تھا۔

وسنت رائے مسکراتے ہوئے محل میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ گانا شروع کر دیا۔ اس گانے کا مطلب کچھ اس طرح تھا۔

"آج کئی دنوں کے بعد تمہیں دیکھنے آیا ہوں ——— ڈر کی کوئی بات نہیں ہے ——— سکھی رہو ——— میں یہاں دیر تک نہ ٹھہروں گا۔ بس دو گھڑی میں ہی چلا جاؤں گا ——— تمہارا چاند سا مکھڑا دیکھوں گا ——— ترنم ریز آواز سنوں گا ——— اوٹ میں کھڑا ہو کر تمہاری مسکراہٹ دیکھوں گا .... اور پھر ——— پھر پردیس چلا جاؤں گا۔"

گانا سُن کر دبھا نے سر نیچا کر دیا۔ اس نے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ خوشی سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ سُرما نے دبھا کا منہ اوپر کر کے دادا جی کو کہا:۔

"دبھا کی مسکراہٹ دیکھنے کے لئے اوٹ میں تو نہیں جانا پڑتا۔"

وسنت رائے۔ "نہیں، یہ بات نہیں، کچھ اور ہے۔ میں اس کی چالاکیاں خوب سمجھتا ہوں۔ یہ بھی مجھے ٹالنے کی ایک چال ہے۔ اس نے سوچا ہے کہ اگر یہ بوڑھا محض ذرا ہنسنے سے ہی ٹل جائے۔ تو تھوڑا سا ہنس ہی دو۔ مگر میں اب ٹلنے کا نہیں جب آ ہی گیا ہوں، تب بُری بھلی سُنا کر اور خوب سنا کر ہی جاؤں گا۔ پھر جب تک ملاقات نہ ہوگی۔ یاد تو کرے گی نا۔"

سُرما نے ہنس کر کہا "یہ دیکھئے دادا جی! دبھا نے بہت خاموشی کہا ہے کہ اگر یاد کرانے کا ہی ارادہ ہے، تو پہلے جو اتنے دن ستا چکے ہیں۔ وہی یاد رکھنے کے لیے کافی ہے۔ بار بار ستانے سے کیا فائدہ؟"

یہ سُن کر وسنت رائے کی بڑی دل لگی ہوئی۔ وہ ہنسنے لگے۔ اس سے وبھا چڑھ کر بولی:۔

"نہیں داداجی! میں نے تو بالکل کچھ نہیں کہا۔ یہ تو بھابی اپنی طرف سے کہہ رہی ہیں۔"

سُرما: "داداجی! آپ کی آرزو تو پوری ہوئی۔ آپ نے وبھا کی مسکراہٹ دیکھنی چاہی۔ وہ دیکھ لی۔ میٹھی آواز سننے کی خواہش تھی۔ وہ بھی سُن لی۔ اب اپنے دیش کی راہ لیجیے۔"

وسنت رائے: "اتنی جلدی۔ ——— نہیں میں اب نہیں جاؤں گا۔ میرے سر میں جتنے پکے بال ہیں۔ وہ سب وبھا سے چنواؤں گا۔ اور مجھے جتنے نئے گیت یاد ہیں۔ وہ اس کو سناؤں گا۔ اس کے بعد ——— شاید پھر چلا جاؤں گا۔"

اب وبھا خاموش نہ رہ سکی۔ وہ مسکرا کر بولی۔" داداجی آپ کے آدھے سر میں تو بال ہیں ہی نہیں۔"

وسنت رائے دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔ وہ وبھا کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ کیونکہ اس کا برتاؤ کچھ عجیب قسم کا تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ ہزار ہا سوالات پوچھنے پر بھی نہ بولتی تھی۔ لیکن جہاں ایک بار اس کا مُنہ کھُلا۔ وہاں پر اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ بلکہ اس کا منہ بند کرنے کے لئے کئی بار کوشش کرنی پڑتی تھی۔ خصوصاً اس کا وسنت رائے کے ساتھ تو یہی حال تھا۔ وسنت رائے نے بالوں سے خالی اپنے چکنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ اور انہیں اپنے شباب کا زمانہ یاد آ گیا۔ جب ایک بال پکنے پر بیسیوں لونڈیاں بال چننے کے لئے خواہشمند نظر آیا کرتی تھیں۔ اور بال چنتے چنتے دل کے جذبات کے زیر وبم سے سفید بال کے دھوکے میں سیاہ بال اُکھاڑ ڈالتی تھیں۔ چند لمحے ماضی کی خوشگوار یاد سے لطف اندوز ہونے کے بعد وسنت رائے بولے:۔

"اب وہ زمانہ کہاں - جب میرا ماتھا بالوں سے بھرا تھا - اس وقت اتنا لمبا سفر کرکے تم لوگوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی ــــــــ"

دبھا نے آہستہ سے پوچھا۔ "دادا جی! جب آپ کے ماتھے پر خوب بال تھے اس وقت دیکھنے میں کیا آپ اب سے اچھے تھے؟"

دبھا کے دل میں یہ شک تھا، کہ اس کے دادا جی جس طرح اب ہیں - پہلے بھی ویسے ہی ... ہوں گے -

وسنت رائے نے جواب دیا۔ "اس کے متعلق بہت اختلاف ہے - میری بہو اور پوتی میرا گنجا سر دیکھ کر ہی مجھے چاہتی ہیں - کیونکہ انہیں میرے سیاہ بالوں کو دیکھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا - اور میری نانی میرے بھنورے جیسے سیاہ بال دیکھ کر خوش ہوتی تھیں انہیں میرا گنجا سر دیکھنا نصیب نہیں ہوا - لیکن جنہوں نے میرے بالوں کی دونوں حالتیں دیکھی ہیں وہ اب بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دونوں میں کون اچھی ہے"

دبھا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا - "آپ چاہے کچھ کہیں - لیکن آپ کے جتنے بال اڑ چکے ہیں - اس سے زیادہ اُڑنے پر آپ کا چہرہ ایسا خوبصورت نہ رہے گا"

وسنت رائے کو جواب دینے کی مہلت نہ دے کر سُرما نے کہا: "دادا جی! سیاہ و سفید کی چھان بین تو بعد میں ہوتی رہے گی - پہلے دبھا کا تو کوئی علاج کر دیجئے"

دبھا جھٹ وسنت رائے کے پاس جا بیٹھی - اور بولی: "لیجئے میں ابھی آپ کے پکے بالوں کو چن دیتی ہوں"

سُرما: "واہ! میں ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائی اور تم رکاوٹ بن بیٹھیں ...."

سرما کی بات پر توجہ نہ دیتے ہوئے دبھا کہنے لگی: "سنو دادا جی! آپ کا ــــــ"

سرما نے دبھا کی بات کاٹتے ہوئے کہا: "دبھا - تم مجھے کچھ کہنے بھی دو گی یا نہیں میں ان سے کیا کہہ رہی ہوں - اور تم ان کے پاس جاکر ــــــــ"

وبھا۔ " سنو دادا جی ! آپ کے سر میں ان روئی کے گالوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اور اگر ان کو بھی چُن لیا جائے۔ تو آپ کا ماتھا ہتھیلی کی طرح چکنا ہو جائے گا۔"

وسنت رائے۔ " اگر تم مجھے بہو کی بات نہ سننے دو گی تو میں ابھی ہنڈول راگ[1] گانا شروع کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ستار کے تاروں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ وبھا کو ہنڈول راگ سے بڑی نفرت تھی۔

" ہنڈول راگ گاؤ گے، تو میں ابھی یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔" اتنا کہہ کر وبھا وہاں سے باہر چلی گئی۔ وبھا کے چلے جانے پر سُرما نے کہا۔

" وبھا اندر ہی اندر جو دُکھ برداشت کر رہی ہے۔ وہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ بلکہ اس طرف کسی نے توجہ ہی نہیں دی۔ لیکن اگر مہاراج کو معلوم ہو جائے۔ تو ان کے دل میں بھی رحم پیدا ہو جائے۔"

" ہیں ——— وبھا کو دُکھ ہے" یہ پوچھتے ہوئے وسنت رائے بڑی پھرتی سے سُرما کے پاس جا بیٹھے۔

سُرما۔ " سال بھر ہو چلا۔ مگر کسی نے نندنی کو ایک بار بُلانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔"

وسنت رائے۔ " تم ٹھیک کہتی ہو ———"

سُرما۔ " آپ ہی کہیئے۔ اس طرح سوامی کی بے عزتی کون استری برداشت کر سکتی ہے۔ وبھا بڑی سوشیل لڑکی ہے۔ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں کہتی۔ لیکن یہ غم پتھر کی طرح اس کی چھاتی دبائے ہوئے ہے۔ اور اس کی آنکھیں گنگا جمنا بن گئی ہیں۔"

وسنت رائے۔ " اُف ! اس کو غم کھائے جا رہا ہے۔ اور وہ دن رات روتی رہتی ہے۔"

---

[1] پانچواں ہندی راگ۔

شرما: "وہ تو آج بھی میرے پاس بیٹھ کر روتی رہی ہے۔"

وسنت رائے: "آہ! اسے ایک بار یہاں بلالاؤ۔ میں اسے دیکھوں گا۔"

شرما وبھا کو پکڑ لائی۔ وسنت رائے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر شفقت آمیز لہجے میں پوچھا:۔

"بیٹی! تو روتی کیوں ہے۔ تم نے اپنی تکلیف مجھے کیوں نہ بتائی؟ میں تیرے دکھ کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ اور سب کچھ پرتاپ سے کہے دیتا ہوں۔"

وبھا: "دادا جی! میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ میرے متعلق پتا جی سے کچھ کہنا..... میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔ نہ جایئے....."

وبھا کہتی ہی رہ گئی۔ اور وسنت رائے وہاں سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ سیدھے پرتاپ دت کے پاس پہنچے۔ اور ان کو کہا:۔

"پرتاپ! رام چندر رائے کتنا عرصہ ہوا یہاں نہیں آئے۔ اور تمہیں ان کو یہاں بلانے کا خیال تک نہیں آیا۔ جانتے ہو۔ اس میں ان کی کس قدر بے عزتی ہے۔ راجہ پیشوہر کے داماد کی جتنی عزت ہونی چاہئے۔ اگر اس قدر نہ ہو۔ تو اس میں توہین تمہاری بھی ہے۔"

پرتاپ دت نے ان کی بات میں کچھ رد و کد نہ کیا۔ اور اسی وقت ایک آدمی کے ذریعے چندر دیپ خط بھیجنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر وسنت رائے پھر اندر آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے ستار بجانے میں دھوم مچا ڈالی۔ وبھا نے شرما کر نیچی گردن کئے۔ آہستہ سے پوچھا: "دادا جی! کیا پتا جی سے سب کچھ کہہ ڈالا۔"

وسنت رائے وبھا کی بات کا کچھ جواب دئے بغیر گیت گانے لگے۔ وبھا نے ستار کے تاروں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور آواز بند کر دی۔ پھر التجا آمیز لہجے میں کہا:۔

"کیا پتاجی سے سب کچھ کہہ دیا؟"

اسی اثنا میں ادیادت کا چھوٹا بھائی سمرادت جس نے ابھی آٹھویں سال میں قدم رکھا تھا۔ کھیلتے کھیلتے وہاں آ پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ "آپا! دادا سے خوب باتیں ہو رہی ہیں۔ میں ابھی جاکر ماں جی سے کہتا ہوں"

"آؤ آؤ بیٹا! آؤ۔" یہ کہہ کر دسنت رائے نے اسے پکڑ لیا۔

راج محل کے مکینوں کی خصوصاً اور خوشامدی درباریوں کی عموماً یہ رائے تھی کہ دسنت رائے اور سُرما دونوں ہی ادیادت کو بہکاتے رہتے ہیں۔ اس لئے دسنت رائے کے آتے ہی سب کے کان کھڑے ہو جاتے تھے۔ سمرادت نے دسنت رائے کا ہاتھ چھڑانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے اسے ستار دے کر اپنے کندھے پر چڑھا لیا۔ اور اس کو چشمہ پہنا کر کچھ ہی دیر میں ایسا بس میں کر لیا کہ وہ سارا دن ان کے پیچھے پیچھے گھومتا رہا۔ ان کا ستار بجا کر تار توڑ ڈالے۔ اور ان کی انگلی سے مضراب بھی نکال کر لے لی۔

---

(۷)

چندر دیپ کے راجہ رام چندر رائے شاہانہ وقار سے مسند پر جلوہ افروز ہیں۔ کمرے کی آرائش و زیبائش ان کی عظمت کی آئینہ دار ہے۔ ان کے پاس ہی دیوان ہری شنکر بیٹھے ہیں۔ اور راجہ کے دائیں طرف رمائی بھانڈ اور سپہ سالار فرنانڈز چشمہ لگائے بیٹھے ہیں۔ نہ معلوم راجہ کے دل میں کیا خیال آیا کہ ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اور انہوں نے کہا۔ "رمائی!"

رمائی (منہ بنا کر) جی حضور!....."

رمائی کا بگڑا ہوا منہ دیکھ کر راجہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ اور ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ دیوان ہری شنکر ہنسنے میں راجہ سے بھی بازی لے گئے۔

راجہ نے پھر پوچھا۔ "کیا خبر ہے؟"

رمائی نے منہ بنا کر جواب دیا: "سرکار! سنا ہے کہ جناب سپہ سالار کے گھر میں چور گھس آیا تھا۔"

سپہ سالار یہ سن کر گھبرا اُٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ رمائی اس پرانی گپ کو طول دے کر ان کی ہنسی اُڑائے گا۔ وہ رمائی سے جتنا ڈرتے تھے۔ وہ اتنا ہی ان کو بھرے دربار میں آڑے ہاتھوں لیتا تھا۔ اور ان کی خوب گت بناتا تھا۔ راجہ نے آنکھیں ذرا موند لیں۔ اور پھر پوچھا:-

"ہاں ـــــ تو پھر کیا ہوا؟"

رمائی: "حضور! عرض کرتا ہوں۔ تین چار دن متواتر سپہ سالار صاحب کے گھر چور کی آمد و رفت رہی۔ ان کی بیوی نے ان کو جگانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ـــــ لاکھ جتن کئے۔ مگر ان کی نیند میں بالکل ہی خلل نہ ہوا۔ حضور! کنبھ کرن کی نیند تو سنا کرتے تھے۔ مگر انہوں نے تو کنبھ کرن کو بھی مات کر دیا...."

راجہ اور وزیر ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن گئے۔ جب سپہ سالار نے ان کے پیٹ میں بل پڑتے دیکھے، تو ان کو بھی اپنے لبوں کو زہر خندہ کرنا پڑا۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ رمائی نے سلسلہ کلام جاری رکھا: "سرکار! دوسرے دن سویرے ان کی بیوی نے ان کو ڈرپوک ہونے کا طعنہ دیا۔ تو انہوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اس وقت تو معاف کر دو۔ آج رات کو میں ضرور چور کو پکڑوں گا۔"

نہ معلوم چور کو ان سے کب کا بیر تھا کہ دو گھڑی رات گذرنے پر پھر آموجود ہوا۔ سپہ سالار صاحب کی بیوی جاگ رہی تھی۔ اس لئے آہستہ آہستہ ان کو جھنجھوڑتے

ہوئے کہا: "دیکھو دیکھو وہ چور آیا۔"

سپہ سالار بہادر نے سراسیمہ ہو کر کہا: "ہیں ــــ چور! اچھا کوئی بات نہیں۔ چراغ جل رہا ہے اور چراغ کی روشنی میں چور ہمیں دیکھ کر خود بخود بھاگ جائے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے چور کو پکارا: "بیٹا! خوش نصیب معلوم ہوتا ہے۔ آج تو پھر بچ گیا۔ چراغ کی روشنی سے سارے گھر میں اُجالا ہے۔ آج تو بے کھٹکے بھاگ جا۔ کل آیا تو یاد رکھ تیری خیر نہیں۔ میں دیکھوں گا اندھیرے میں کس طرح بھاگے گا ــــ"

راجہ صاحب اُچھل پڑے۔ اُن کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ بمشکل وہ بولے۔

"اچھا بھئی! اس کے بعد ــــ"

رمائی نے جب دیکھا کہ ابھی راجہ کا اشتیاق کم نہیں ہوا۔ اور وہ ان باتوں سے سیر نہیں ہوئے۔ تو اس نے پھر شوشہ چھوڑا۔

"مہاراج! معلوم ہوتا ہے۔ وہ چور بھی دلیر تھا۔ تیسرے دن پھر سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ان کی بیوی نے ان کو جگایا: اٹھو اٹھو! ستیاناس ہو گیا۔۔۔۔"

سپہ سالار نے غصے سے کہا: "تم کیوں نہیں اُٹھتیں۔"

بیوی نے جواب دیا: "میں اُٹھ کر کیا کروں گی۔"

سپہ سالار: "چراغ روشن کرو۔ اس اندھیرے میں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

یہ سن کر ان کی بیوی کو بہت ہی رنج ہوا۔ اور وہ کچھ ناراض بھی ہوئی۔ اس پر سپہ سالار اور بھی زیادہ غصے ہو کر بولے "تمہاری وجہ سے ستیاناس ہوا۔ جب تم پہلے ہی یہ جانتی تھیں کہ چور ضرور آئے گا، تو تم نے پہلے ہی سے روشنی کا انتظام کیوں نہ کر رکھا۔ ــــ اب جلدی کرو۔ دیا جلاؤ اور بندوق لے آؤ۔"

اتنے میں چور اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ دور جا کے آواز دی: "جناب! بہت تھک گیا ہوں ــــ بڑی محنت کا کام کیا ہے۔۔۔ ایک چلم تمباکو عنایت کیجئے۔"

صاحب بہادر نے زور سے ڈانٹ کر کہا: "ٹھہر جا ــــ بدمعاش کہیں کا ..... تمباکو پلاتا ہوں تمہیں ..... مگر خبردار! میرے پاس آئے تو اس بندوق سے تمہارا سر اڑا دوں گا۔"

چور جب چلم کے کش لگا کر اپنی تکان دور کر چکا۔ تو اطمینان سے بولا: "مہاراج! اگر روشنی کا انتظام کر دیتے۔ تو آپ کی بڑی مہربانی ہوتی ــــ اندھیرے میں کچھ پتہ نہیں لگتا۔ نہ معلوم کدھر سے نقب لگا کر آیا ہوں ....."

سپہ سالار نے جواب دیا۔" سالا کہیں کا! بس ڈر گیا نا ــــ وہیں کھڑے رہو۔ نزدیک مت آؤ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جھٹ دیا جلا دیا۔ اس اثنا میں چور سب اشیا لے کر رفو چکر ہو گیا۔ سپہ سالار نے بڑے فخر سے بیوی کو کہا:" سالے کو آج خوب مزا چکھایا ــــ دیکھا کس طرح ڈر کر ایک دم بھاگ گیا۔"

راجہ اور وزیر ہنسی ضبط نہ کر سکے ہنستے ہنستے بے دم ہو گئے۔ سپہ سالار بھی دکھاوے کی خاطر رُک کر مصنوعی ہنسی سے اپنی خفت مٹانے لگے۔ جب ذرا ہنسی کا یہ طوفان ختم گیا، تو راجہ نے کہا:-

"رمائی! سُنا ہے تم نے .... میں سسرال جانے والا ہوں۔"

رمائی نے حسب عادت منہ بنا کر کہا:" مہاراج سسرال جا رہے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے ــــ مہاراج! سسرال میں ہر قسم کی اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ مگر ــــ"

راجہ:" مگر کیا۔"

رمائی:" یہی کھانا پینا سونا جاگنا سب کچھ اچھا ہی ہوتا ہے...."

راجہ رمائی کے دل کی بات کو تاڑ گئے۔ اس لئے مسکرا کر کہا:" کیا تمہاری

اردھانگنی[1] تم سے ــــــ "

رمائی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مہاراج! اسے اردھانگنی نہ کہیں ــــ تین جنم ریاضت کرنے پر بھی میں اس کے آدھے حصے کے برابر نہ ہو سکوں گا..... میرے جیسے پانچ آدمی بھی اکٹھے ہونے پر اس کی برابری نہ کر سکیں گے "

رمائی کی بات سن کر سارا دربار قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ رمائی کی بات کا راز سب آسانی سے سمجھ گئے۔ مگر وزیر کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اس لئے وہ اوروں کی نسبت زیادہ ہی ہنسے۔

راجہ نے پھر کہا: "ہم نے سنا ہے تمہاری بیوی بڑی ہی نیک سیرت اور گھر کے کام کاج میں ہوشیار ہے "

رمائی: "مہاراج! اس کے متعلق میں کیا عرض کروں۔ میرے گھر میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ اس لئے میں ایک لمحہ بھی گھر نہیں ٹھہر سکتا ــــــ سانجھ سویرے پو پھٹتے ہی براہمنی کچھ اس طرح پھنکارتی ہے کہ بھاگنے کا راستہ ہی نہیں دکھائی دیتا۔ ... جب مہاراج کی ڈیوڑھی پر پہنچتا ہوں۔ تب جان میں جان آتی ہے۔ اور کچھ ہوش حواس ٹھیک ہوتے ہیں "

مذاق ختم ہونے پر راجہ نے رمائی سے کہا: "تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا ــــ اور سپہ سالار بھی میرے ساتھ جائیں گے "

یہ سن کر سپہ سالار چونک پڑے۔ انہوں نے سمجھا۔ یہ اشارہ پاکر رمائی پھر ان پر طعنہ زنی کرے گا۔ کیونکہ رمائی کا ترکش تو کبھی خالی ہوتا ہی نہیں تھا۔ اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے پہلے تو انہوں نے چشمہ اتارا۔ اور پھر لگا لیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کوٹ کے بٹن کھولنے اور بند کرنے لگے۔

---

[1] اردھانگنی ہندی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں "نصف بہتر" مجازاً بیوی۔

رمائی: "جی ہاں مہاراج! وہاں جلسے ہوں گے۔ دعوتیں ہوں گی... پھر سپہ سالار کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں تھوڑے ہی جا رہے ہیں"

راجہ نے سوچا۔ بات تو بڑے مزے کی ہے۔ انہوں نے رمائی سے پوچھا: "سپہ سالار وہاں جانا کیوں پسند کریں گے"

رمائی: "مہاراج! ان کی آنکھوں پر دن رات چشمہ لگا رہتا ہے۔ وہ رات کو سوتے وقت بھی آنکھوں سے نہیں اتارتے۔ کیونکہ اگر رات کو چشمہ ان کی آنکھوں پر نہ رہے تو انہیں اچھے خواب بھی نہ دکھائی دیں ـــــ ان کو لڑائی میں بھی جانے سے اعتراض تو نہیں۔ صرف ڈر اس بات کا ہے کہ کانچ کا چشمہ گولی لگنے سے کہیں ٹوٹ نہ جائے....."

پھر سپہ سالار کی طرف مخاطب ہو کر کہا: "کہئے صاحب! یہی بات ہے نا"

سپہ سالار نے سٹ پٹا کر کہا: "جی ہاں! بالکل یہی بات ہے" اس کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور راجہ سے عرض کی: "مہاراج! اگر حکم ہو تو میں جاؤں"

راجہ: "تمہیں بھی ہمارے ساتھ یشو ہر چلنا ہوگا۔ اس لئے جلد تیار ہو کر آیئے۔ ـــــ ہاں! ہمارے سفر کا سامان بھی ٹھیک کریں۔ اور ہمارے لئے ایک بڑی کشتی بھی تیار رہے"

اس کے بعد وزیر اور سپہ سالار چلے گئے۔

راجہ نے پھر کہا: "رمائی! تم جانتے ہی ہو گے ـــــ پہلی مرتبہ سسرال میں ان لوگوں نے ہمیں خوب بنایا تھا"

رمائی: "جی ہاں! سب سن چکا ہوں ـــــ مہاراج کے پیچھے انہوں نے دم لگا دی تھی"

یہ سن کر راجہ ہنس پڑے۔ اور بہت ہی خوش ہوئے۔ مگر جس طرح بجلی کوند کر

بادلوں میں غائب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی خوشی بھی آنِ واحد میں معدوم ہو گئی۔ اور ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ رمائیؑ کی عادات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بات رمائیؑ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بہت ہی متفکر ہوئے۔ یہ بات اگر کسی اور کو معلوم ہو جاتی، تو کوئی ہرج نہ تھا۔ راجہ کچھ دیر کے لئے بحر تفکر میں ڈوب گئے۔

رمائیؑ نے پھر کہا۔ "مہاراج! مجھے آپ کے سالے نے بتایا تھا کہ تماشہ گاہ میں تمہارے راجہ کی ایک لمبی دُم نکل آئی ہے۔ وہ راجہ رام چندر نہیں، بلکہ ہنومان ہیں ـــــ مگر ہمیں تو یہ بات پہلے معلوم نہ تھی۔"

تو میں نے جواب دیا تھا۔ "تمہیں پہلے کس طرح معلوم ہوتا۔ پہلے تو کچھ تھا بھی نہیں۔ اب وہ تمہارے گھر شادی کرنے آئے ہیں۔ تو جس دیس کی جو چال ہوتی ہے۔ انسان کو وہی اختیار کرنی پڑتی ہے۔"

اس جواب کو سُن کر راجہ کی پریشانی قدرے دور ہوئی۔ انہوں نے سوچا، کہ رمائیؑ کی بدولت میرے بزرگوں کا اور میرا نام رہے گا۔

راجہ رام چندر رائےؑ کچھ وہمی مزاج کے تھے۔ بڑے بڑے خونریز معرکوں کے متعلق انہوں نے کبھی کچھ نہ سوچا تھا۔ مگر اس قسم کی چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو دل میں جگہ دیتے تھے۔ یہ بات ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ کہ سسرال میں ان کی بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ اور اس بات کی یاد ان کے سینے میں تیر کی طرح چبھتی رہتی تھی۔ جب کبھی بھی یہ خیال آتا تھا۔ وہ شرم سے پانی پانی ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن آج ان کو کچھ اطمینان ہوا۔ کہ سپہ سالار رمائیؑ یہ لڑائی بھی جیت کر آیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اس بات کو دل سے نہ نکال سکے۔ انہوں نے رمائیؑ سے کہا۔

"اس دفعہ ضرور فتح حاصل کرنی ہوگی۔ اور اگر تم جیت گئے، تو ہم تمہیں اپنی

انگوٹھی انعام دیں گے۔"

رمائی: "حضور! جیت کی فکر کیا۔ اگر آپ مجھے محل کے اندر لے جا سکیں، تو مہارانی صاحبہ کو بھی بنا کے آ سکتا ہوں۔"

راجہ: "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ہم تمہیں اپنے ہمراہ اندر لے جائیں گے۔"

رمائی: "مہاراج! آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔"

راجہ کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

راجہ رام چندر رائے نے رام موہن لال کو بھی بلا بھیجا۔ رام موہن لال ــــــ ان کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اس کا گٹھیلا جسم اور رعب دار چہرہ دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا زہرہ آب آب ہو جاتا تھا۔ اس کا قد پورے سات فٹ لمبا تھا۔ طاقت میں وہ بھیم کے برابر خیال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کی عمر کا آفتاب آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا۔ پھر بھی اس کی رگوں میں نوجوانی کا خون موجزن تھا۔ راجہ کا بچپن اس کی گود میں گذرا تھا۔ اس لئے راجہ اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ موہن لال، رمائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ رمائی بھی موہن لال سے ڈرتا تھا۔ اور اس کی نگاہوں سے دور دور رہنا چاہتا تھا۔ مگر وہ اس کی نگاہِ حقارت سے بچ نہ سکتا تھا۔ جب رام موہن لال راجہ کے پاس پہنچا، تو راجہ نے کہا۔

"پچاس آدمی ہمارے ساتھ ییشوہر جائیں گے۔ تم اُن کے سردار بن کر ساتھ چلو۔"

رام موہن لال: "جو حکم ـــــ کیا رمائی بابو بھی ساتھ چلیں گے؟"

یہ سن کر رمائی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

---

(۸)

یشودھر کے راج محل دُلہن کی طرح آراستہ کئے جا رہے ہیں۔ شاہی نوکر بہت ہی مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ آج پرتاپ دت کے داماد راجہ رام چندر رائے یشودھر آ رہے ہیں۔ ان کے استقبال کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ انواع و اقسام کے کھانے و پکوان پکائے جا رہے ہیں۔ اور ہر قسم کے آرام و آسائش کے سامان اکٹھے کئے جا رہے ہیں۔ چندر دیپ کا شاہی خاندان یشودھر کے شاہی خاندان کے مقابلے میں بالکل معمولی خاندان ہے۔ اس کے متعلق پرتاپ دت کے ساتھ مہارانی کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ پھر بھی مہارانی اس بات سے خوش ہو رہی تھیں کہ ان کا داماد آ رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے سویرے ہی سویرے اپنے ہاتھوں سے وبھا کی آرائش شروع کر دی۔ اس سے وبھا بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ وہ نادر و جنگلی پھول کی طرح حسین تھی۔ اور حسن جب شباب کی وادی میں محوِ خرام ہو۔ تو اس کو آرائش کی حاجت نہیں رہتی۔ اسکے علاوہ بوڑھی ماں اور جوان بیٹی کی پسندیدگی میں اختلاف کی وسیع خلیج کا حائل ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ مگر نمود و نمائش اور دولت کے غرور کو ان باتوں کی کیا پرواہ تھی۔ وبھا پسند کرے یا نہ کرے۔ اس میں مہارانی کا کیا بگڑتا تھا۔ مگر وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ وبھا کا فائدہ کس بات میں ہے۔

وبھا کا خیال تھا کہ فیروزی رنگ کی تین تین پتلی پتلی چوڑیاں اس کے نازک نازک گورے ہاتھوں میں سندر نظر آئیں گی۔ مگر مہارانی اس کے برعکس اس کو سونے کی موٹی موٹی آٹھ آٹھ چوڑیاں اور ایک ایک موٹا کنگن جن میں ہیرے جڑے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں پہنا کر خوشی سے ناچ اٹھیں۔ اور اس کو دیکھنے

کے لئے، راج محل کی بوڑھی داسیوں اور بیوہ پھوپھی تک کو بلا بھیجا۔ اور پھر اگر اتنے پر ہی اکتفا کیا جاتا، تو خیر تھی۔ مگر مہارانی کی خواہش ابھی تک پوری نہ ہوئی تھی۔ دبھا جانتی تھی کہ میرے ننھے سے گول چہرے پر ناک کا زیور بہت ہی بھدا معلوم ہوگا۔ مگر ماں نے اس کو بڑی سی نتھ پہنا کر اس کے منہ کو ایک دفعہ دائیں طرف اور ایک دفعہ بائیں طرف گھما کر بڑے شوق سے دیکھا۔ اس پر بھی دبھا بالکل خاموش رہی۔ اس نے اپنی خواہشات کو دبانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن مہارانی نے جس ڈھنگ سے اس کے بال باندھے، وہ طریقہ اسے بالکل ناپسند تھا۔ اس نے بہت صبر کیا۔ مگر جب صبر برداشت کی حد سے باہر ہو گیا تو اس نے جبر کا سہارا لیا۔ لیکن وہ اپنے ارمانوں سے بھرپور دل پہ جبر بھی نہ کر سکی۔ اور چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر سُرما کے پاس جا کر اپنی پسند کا جوڑا بندھوا آئی اور اس نے اس بات کو چھپانے کے لئے لاکھ جتن کئے۔ مگر بوڑھی مہارانی کی دوربین نظروں سے اپنے آپ کو نہ بچا سکی۔ اور مہارانی نے اس بات کو محسوس کیا کہ صرف بال باندھنے کی خامی نے دبھا کی ساری خوبصورتی مٹی میں ملا دی۔ اس نے اس بات کو بھی سُرما کی حاسدانہ فطرت پر محمول کیا۔ اور اس کی اس حرکت پر مہارانی کو بہت غصہ آیا۔ اس لئے اس نے دبھا کو بھی سرما سے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔ اور اسے تاکید کی، کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ مہارانی کافی دیر تک سیخ پا ہوتی رہی۔ اور جب غصے کا سیلاب کم ہوا۔ تو اس نے دبھا کے بال کھول دئے۔ اور اپنی پسند کے مطابق پہلے کی طرح پھر باندھ دئے۔

دبھا کے دل میں ایک طرف تو ارمانوں کا جوش تھا۔ دوسری طرف اپنی آرائش کو دیکھ خود بخود جل رہی تھی۔ اس وقت اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ آخر کار وہ بہت ہی بے چین ہو گئی۔ وہ اپنے چھوٹے سے دل میں شوہر کے آنے کی لامحدود خوشی کو نہ چھپا سکی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے خوشی کی لہریں نکل رہی تھیں۔ لیکن جب وہ

اپنے لباس پر، بالوں پر اور موتی موٹی چوڑیوں پر نگاہ ڈالتی تھی ۔ تو اسے معلوم ہوتا تھا کہ محل کی دیواریں بھی اس کی ہنسی اُڑا رہی ہیں ۔ جب وہ دل کی امنگوں کو سینے میں دبانے کی کوشش کرتی ۔ تو اس کے چہرے کا رنگ نکھر آتا تھا ۔ اسی وقت ولی عہد ادیا دت محل کے اندر داخل ہوئے ۔ انہوں نے جب وبھا کا شرمیلا چہرہ جو کہ مسرت سے کھلا ہوا تھا ، دیکھا تو ان کا دل مسرت سے ناچنے لگا ۔ ایک پیار بھری نگاہ سے وبھا کو دیکھ کر وہ اپنے محل میں چلے گئے ۔ وہ خوشی سے پاگل ہوئے جاتے تھے ۔ محل میں پہنچتے ہی مسکرا کر انہوں نے سرما کا منہ چوم لیا ۔

سُرما نے پوچھا : " آج اس قدر خوشی کیوں .... "

اُدیادت : " یونہی تو ——— "

اسی وقت وسنت رائے وبھا کو کھینچ کر لے آئے ۔ انہوں نے وبھا کا منہ اُوپر اُٹھا کر کہا : " لو بھائی ! ایک بار تم بھی وبھا کا مکھڑا دیکھ لو ——— سُرما ! تم بھی اِدھر آ کر دیکھ جاؤ ۔ "

پرتاپ دت نے اپنے داماد کے استقبال کے لئے کوئی خاص تیاری نہ کی ۔ شاید وہ ان کی اس قدر عزت نہ کرنا چاہتے تھے ۔ جتنی کہ انہیں کرنی چاہیئے تھی ۔ اس بات کو راجہ رام چندر رائے نے بری طرح محسوس کیا ۔ ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ جان بوجھ کر ان کی بے عزتی کی گئی ہے ۔ اس سے پہلے دو ایک بار ان کے استقبال کے لئے راج محل سے پنکدریں لوگ بھیجے گئے تھے ۔ مگر اس دفعہ چکدہ سے بھی دو کوس آگے تھنے پر صرف دیوان جی ان کو لینے کے لئے آئے ۔ اور اگر صرف دیوان جی کو آنا تھا تو ان کے ساتھ سو دو سو لوگ اور کیوں نہ آئے ۔ سارے شہر میں بلاد بھیجنے کے لئے اُن کو کوئی بھی آدمی نہیں ملا ۔ اور اس کے علاوہ راجہ کو لانے کیلئے جو ہاتھی بھیجا گیا ۔ رمائی کی نا

کے مطابق موٹے جسم والے دیوان کی نسبت کہیں چھوٹا تھا۔ رمائی نے دیوان سے پوچھا۔

"مہاشے! معلوم ہوتا ہے، وہ آپ کا چھوٹا بھائی ہے۔"

دیوان نے حیران ہوکر جواب دیا: "جی نہیں۔ وہ ہاتھی ہے۔"

رام چندر رائے نے ناراض ہوکر دیوان سے کہا: "جس ہاتھی پر تمہارے وزیر چڑھتے ہیں۔ وہ بھی اس کی نسبت بڑا ہے۔"

دیوان نے عرض کی: "مہاراج! ریاست میں جتنے بڑے ہاتھی تھے۔ وہ ضروری کام کے لئے بہت دور بھیجے گئے ہیں۔ اس وقت لیشوہر میں اس کے سوا ایک ہاتھی بھی موجود نہیں ہے۔"

راجہ رام چندر رائے کے شک کو اور تقویت پہنچی۔ اور وہ یقین کی صورت میں تبدیل ہونے لگا۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمیں ذلیل کرنے کے لئے ہاتھی کسی دوسری جگہ بھیجدئے گئے ہیں۔ نہیں تو اس کی اور کیا وجہ ہوسکتی تھی۔ ان کی آنکھیں غصے سے لال ہوگئیں۔ احساس کمتری ان کا گلا دبانے لگا۔ نتھنے پھول گئے۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ وہ چلا اٹھے۔

"پرتاپ دت سے میں کس بات میں کم ہوں۔"

رمائی نے فوراً جواب دیا: "عمر اور رشتہ میں ——— اور کسی بات میں نہیں۔ آپ نے اس کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ اسی سے ...."

رام موہن لال وہیں کھڑا تھا۔ رمائی کی بات اسے اچھی نہ لگی۔ اسے اس طرح معلوم ہوا کہ کسی نے اس کے سینے میں بھالا گھونپ دیا۔ وہ غصے سے بولا "رمائی! تم بہت بڑھتے جارہے ہو ——— مہاراج پرتاپ دت کی لڑکی ہماری مالکہ ہیں۔ خبردار ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہی تو اچھا نہ ہوگا......"

رام موہن لال سے رمائی پہلے بھی کتراتا تھا۔ اب اس کو غصے میں دیکھ کر وہ بھا

کی بات کو چھوڑ کر پرتاپ دت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ایسے راجے بہتیرے دیکھے ہیں ـــــ مہاراج! آپ بھی بخوبی جانتے ہیں۔ ایسے راجہ کو مہاراج کا ادنیٰ خادم بھی بغل میں دبا کر رکھ سکتا ہے۔"

راجہ کو رمائی کی اس بے موقعہ بات پر ہنسی آ گئی۔ اور انہوں نے رومال سے منہ چھپا لیا۔ لیکن رام موہن لال اب صبر نہ کر سکا۔ اس کی ہر حرکت سے غصہ ٹپکتا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا "مہاراج! آپ کے سامنے ہی آپ کے سسر کی اس قدر توہین ـــ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ آپکا حکم ہو تو اس خوشامدی کتے کا منہ ابھی بند کر دوں۔"

راجہ نے جواب دیا "رام موہن! ذرا تم ٹھہر جاؤ۔"

رام موہن وہاں سے ٹل گیا۔ اور آہستہ آہستہ ذرا دور چلا گیا۔ رام چندر رائے نے وہ دن نہایت ہی بے تابی سے بسر کیا۔ وہ معمولی معمولی جھگڑوں کی چھان بین کرتے رہے اور تصور کے گھوڑے دوڑاتے رہے۔ بہت غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ پرتاپ دت نے ہماری بے عزتی کرنے کے لئے بہت دنوں سے یہ سکیم تیار کر رکھی تھی۔ اس خیال سے ان کے دل کو بہت ہی دکھ ہوا۔ اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ پرتاپ دت سے ملاقات کرتے وقت اپنے برتاؤ اور اطوار سے یہ بات واضح کر دیں گے کہ وہ بھی اس سے کسی بات میں کم نہیں ہیں۔

مہاراجہ پرتاپ دت اپنے وزیر کے ساتھ کمرۂ خاص میں جلوہ افروز تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجہ رام چندر رائے اندر داخل ہوئے۔ اور پرتاپ دت کے پاس آہستہ آہستہ جا کر سر جھکا کر پرنام کیا۔ پرتاپ دت نے کوئی خاص خوشی، یا اشتیاق ظاہر نہ کر کے نہایت ہی متین لہجہ میں کہا۔ "آؤ! اچھے تو ہو...."

رام چندر رائے نے بے رخی سے جواب دیا۔ "جی ہاں ـــــ"

اس کے بعد پرتاپ دت نے وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "بھانگا تھا

پرگنے کے تحصیلدار کے نام جو نالش ہوئی تھی۔ اس کا کیا ہوا؟"

منتری جی نے ایک بڑا لمبا سا کاغذ نکال کر راجہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور وہ بغور پڑھنے لگے۔ جب سارا پڑھ چکے، تو انہوں نے ایک بار آنکھ اٹھا کر داماد کی طرف دیکھا۔ اور آہستہ سے پوچھا۔ "پچھلے سال کی طرح اس دفعہ چندر دیپ میں باڑھ تو نہیں آئی ہے؟"

رام چندر رائے "جی نہیں۔.... اسوج کے مہینے میں ایک بار پانی کچھ بڑھا تھا۔"

پرتاپ دت نے پھر دیوان کو مخاطب کیا۔

"دیوان! اس کاغذ کی ایک نقل اپنے پاس رکھ لو۔" یہ کہہ کر پرتاپ دت نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ اور جب سارا پڑھ چکے تو انہوں نے رام چندر رائے کو محل میں اندر جانے کے لئے کہا۔

راجہ رام چندر رائے شانِ استغنا سے آہستہ آہستہ اٹھے۔ اب تک ان کے دماغ میں یہی خیال چکر لگا رہا تھا۔ کہ پرتاپ دت ہم سے کسی طرح بھی بڑے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی رہ رہ کر یہ خیال انہیں بے چین کر دیتا تھا۔

---

(۹)

رام موہن لال سر جھکائے حرم سرا میں داخل ہوا۔ اور و بھا کو پرنام کر کے کہا۔ "ماں! میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں"

رام موہن لال کو دیکھ و بھا کا دل فرطِ مسرت سے لبریز ہو گیا۔ کیونکہ وہ اس کو بہت چاہتی تھی۔ اور اس پر پورا اعتماد رکھتی تھی۔ وہ کبھی کبھی کئی کام ہوتے ہوئے بھی چندر دیپ سے یشور آتا تھا۔ اور جب طرح بھی ہوتا تھا۔ و بھا کو ملنے کے لئے

وقت نکال لیتا تھا۔ ویبھا بھی اسے دیکھ کر کسی قسم کا حجاب یا جھجک محسوس نہ کرتی تھی۔ لمبے ڈیل ڈول کا طاقتور رام موہن جب ' ماں ' کہہ کر سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا۔ تو اس کے دل میں مکروریا سے پاک ایک بے لوث پریم پیدا ہو جاتا تھا۔ اور اس وقت ویبھا اس کے سامنے اپنے آپ کو ایک لڑکی سمجھتی تھی۔ ویبھا نے کہا۔

" تم اتنے دنوں سے کیوں نہ آتے تھے ؟ "

رام موہن " سنو ماں! بیٹا تو کبھی کبھی نادان بن جاتا ہے۔ اور ماں کو بھول جاتا ہے ——— مگر ماں اولاد کو نہیں بھولتی ———————

——— تم نے مجھے کب یاد کیا ؟ ——— میں نے یہی سوچا کہ ماں جب تک خود نہ بلائے گی۔ میں نہ جاؤں گا ———————

——— میں تو صرف اس بات کا منتظر تھا کہ وہ مجھے کب یاد کرتی ہے۔ مگر کیا کہوں تم نے تو ایک بار بھی یاد نہ کیا "

ویبھا بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ اس نے رام موہن کو کیوں نہیں بلایا۔ اس کا وہ کوئی مناسب جواب نہ دے سکی۔ ویبھا نے یاد نہ آنے کی وجہ سے رام موہن کو نہیں بلایا ——— نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ نہ بلانے کی وجہ وہ بتانا چاہتی تھی۔ مگر اس کو وہ الفاظ نہیں ملتے تھے۔ جن سے وہ اچھی طرح واضح کر کے سمجھا سکے۔

ویبھا کو فکر و تردد میں ڈوبا دیکھ کر رام موہن نے ہنس کر کہا " نہیں ماں! تم کیوں فکر میں پڑ گئیں ——— مجھے تو یہاں آنے کے لئے وقت ہی نہیں مل سکا۔ ورنہ میں پر لگا کر بھی یہاں پہنچ جاتا "

ویبھا نے خوش ہو کر کہا " اچھا! رام موہن بیٹھو۔ اور کچھ اپنے دیش کی بھی کہو "

رام موہن بیٹھ گیا۔ اور چندر دیپ کا حال بیان کرنے لگا۔ وبھا گالوں پہ ہاتھ رکھے پوری توجہ کے ساتھ سننے لگی۔ چندر دیپ کا حال سن کر وبھا کے دل پہ کیا اثر ہوا یا اس کے دل میں کیا کیا خیالات پیدا ہوئے۔ کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی نے اس کی اندرونی کشمکش پر ایک نقاب سا ڈال دیا۔ لیکن جب رام موہن نے باڑھ آنے کے متعلق کچھ حالات بیان کئے اور اپنے گھر کی بربادی کا نقشہ دردانگیز پیرائے میں کھینچا۔ تو وبھا کا نازک دل لرز اٹھا۔ رام موہن نے بتایا کہ اس کا گھر پانی میں ڈوب گیا۔ اور وہ آفتاب کے تجلۂ تاریکی میں داخل ہونے سے کچھ دیر پہلے اپنی بوڑھی ماں کو پیٹھ پر بٹھا کر تیرتا ہوا مندر کے قریب پہنچا۔ پھر ان دونوں نے ساری رات مندر کی چھت پر بسر کی تھی۔ یہ سن کر وبھا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

جب یہ باتیں ختم ہو گئیں۔ تو رام موہن نے نہایت ہی نرمی سے کہا۔ "ہاں! .... تمہارے لئے میں سنکھا چوڑی لایا ہوں۔ تم اسے پہن لو ———— میں انہیں تمہارے ہاتھوں میں دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لوں گا۔"

وبھا نے اپنے ہاتھوں سے سونے کی دو دو چوڑیاں اتار ڈالیں۔ اور رام موہن کی دی ہوئی سنکھا چوڑی پہن کر وہ ہنستے ہنستے ماں کے پاس پہنچی۔ اور کہا "دیکھو ماں! رام موہن میرے لئے سنکھا چوڑی لایا ہے۔"

مہارانی نے دیکھا۔ کہ وبھا نے سونے کی چوڑیاں اتار کر سنکھا چوڑی پہن لی ہے۔ تو وہ ذرا بھی ناراض نہ ہوئی۔ بلکہ مسکرا کر کہا۔

"بیٹی! رام موہن آ گیا ———— تم نے بہت ہی اچھا کیا جو اس کی دی ہوئی چوڑیاں پہن لیں ..... اور پھر دیکھنے میں بھی بری معلوم نہیں ہوتیں۔"

مہارانی کے منہ سے اتنی بات سن کر رام موہن کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کو کوئی بیش بہا انعام مل گیا ہو۔ اس سے وہ جامے میں پھولے

نہ سمایا۔ رانی اس کو اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔ اور اپنے سامنے ہی اس کو کھانا کھلایا۔ جب وہ خوب سیر ہو چکا تو رانی نے خوش ہو کر کہا: "رام موہن! تمہیں یاد ہے پچھلی دفعہ تم نے ایک گیت سنایا تھا۔ آج پھر وہ گیت سننے کو جی چاہتا ہے ...."

رام موہن وبھا کی طرف دیکھ کر گانے لگا۔

گاتے گاتے اس کی آنکھیں اشکوں سے تر ہو گئیں۔ وبھا کی طرف دیکھ کر رانی بھی اپنے آنسو نہ روک سکی۔ رام موہن کے اس گیت سے رانی کو وجیا کی یاد آ گئی۔

سورج رتھ پر سفر سمیٹ رہا تھا۔ دن بھر کے سفر کی تکان سے اس کا چہرہ گلگوں ہو گیا تھا۔ [illegible] کے آس پاس کی عورتیں [illegible] رام چندر راجے کو دیکھنے کے لئے حرم سرا میں [illegible] نہیں امنگوں پر آئی ہوئی جوانی [illegible] کی چاشنی [illegible] پیاری تھیں۔ [illegible] کی عجیب حالت تھی۔ [illegible] شرم اور ڈر کے [illegible] نے مل کر [illegible] کی تھی۔ وہ بار بار یہ سوچتی تھی کہ نہ معلوم آج کیا ہو گا۔ [illegible] تو [illegible] کانپ اٹھتا تھا۔ اس کا چہرہ اور [illegible] رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ رہے تھے ——— نہ معلوم یہ [illegible] [illegible] نہیں یہ [illegible] کے آثار تھے۔

رام چندر [illegible] [illegible] تھے۔ ان کے چاروں طرف [illegible] [illegible] تھا۔ حسن اور شباب ——— شباب جب اٹکھیلیاں کرتا ہے تو [illegible] بھی نکھر جاتا ہے۔ رنگ برنگ کے پروں والی تیتریوں کے [illegible] طرح گھیرے ہوئے ——— ایک خاص قسم کا بانکپن اور چھبیلا پن لئے ہوئے ———

[illegible] سے دولہا پر ترنم ریز قہقہوں کی بارش ہو رہی تھی۔ عندلیب کے [illegible] [illegible] آوازیں کسے جا رہے تھے۔ اور کسی طرف سے کنول [illegible]

جیسے نازک بازوؤں سے مار جھپٹ اور پھول جیسی انگلیوں کے صاف ناخنوں سے چوٹیں ہونے لگیں۔ رام چندر رائے ایک طرف متوجہ ہوتے تھے۔ تو دوسری طرف سے عورتیں چٹکیاں لینے لگتی تھیں۔ اس سے وہ بہت ہی گھبرا گئے۔ ہر ایک چیز کی افراط پریشان کُن ہوتی ہے۔ حسن و شباب کی یہ دلچسپ شوخیاں بھی انہیں پریشان کرنے لگیں۔ اس وقت ایک ادھیڑ عورت ——— جو دنیا کے ان تمام نشیب و فراز کو طے کر چکی تھی۔ ان کی طرف دار بن بیٹھی۔ اس نے اپنی بیہودہ بکواس سے راجہ اندر کے اکھاڑے کو منتشر کر دیا۔ اس کی سخت اور کڑوی باتوں نے یہ محفل درہم برہم کر دی۔ اسکے فاحشہ کلمات نے چہرے لال پیلے کر دیئے۔ متنفر اور غصے کی لہر نے گھر خالی کر دیا۔ تب کہیں رام چندر رائے کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اور جان میں جان آئی۔

اس کے بعد وہ ادھیڑ عورت وہاں سے نکل کر رانی کے محل میں پہنچی۔ رانی راج محل کے نوکر، نوکرانیوں کو کھلا پلا رہی تھی۔ رام موہن بھی ایک طرف بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا۔ وہ بوڑھی عورت رانی کے پاس آئی۔ اور اس کے منہ کی طرف اچھی طرح دیکھکر بولی:-

"یہ راکھشوں کی ماتا ہے۔"

یہ سنتے ہی رام موہن چونک پڑا۔ اور ایک بار گھور کر ادھیڑ عورت کی طرف دیکھا۔ پھر جلدی ہی کھانا چھوڑ کر باز کی طرح جھپٹا۔ اور اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بولا۔ "پنچ! میں تجھے پہچانتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس کے سر سے کپڑا کھینچ دیا۔ اس نے رمائی کو پہچان لیا تھا۔ رام موہن غصے سے کانپنے لگا۔ اپنے جسم سے چادر اُتار کر نیچے رکھ دی۔ دونوں ہاتھوں سے رمائی کو پکڑ کے سر سے اوپر اُٹھا لیا۔ اور کہا۔ "بدذات! آخر میرے ہاتھوں ہی تمہاری موت لکھی تھی۔" اتنا کہہ کر اوپر ہی اوپر رمائی کو ایک دو بار جھٹکا دیا۔ اتنے میں رانی اُن کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"رام موہن! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

ادھر رمائی خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ منت آمیز لہجہ میں بولا " بھول ہوئی موہن بابو! ــــــ آپ برہم ہتیا نہ کریں۔ اتنے میں چاروں طرف ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ تب رام موہن نے رمائی کو نیچے پٹک کر غصے سے کہا۔

" نیچ کہیں کا ــــــ تجھے مرنے کو اور کوئی جگہ نہ تھی۔"

رمائی نے درد سے بلبلاتے ہوئے کہا " مہاراج نے مجھے حکم دیا تھا "

رام موہن۔ " کیا کہا نمک حرام ــــــ پھر ایسی بات زبان سے نکالی، تو پتھر پر تیرا منہ رگڑ دوں گا۔" یہ کہہ کر اس کو پھر گلے سے پکڑ لیا۔

رمائی چلا اٹھا۔ رام موہن نے اس دُبلے پتلے کمزور جسم کو کپڑے میں لپیٹ لیا۔ اور گٹھڑی کی طرح ہاتھ میں اُٹھا کر جھٹکے دیتا ہوا حرم سرا سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر آگ کی طرح ہر جگہ پھیل گئی۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ رات نصف سے زیادہ گذر چکی تھی۔ چھوٹے راجکمار نے تمام واقعہ مہاراج پرتاپ دت کے گوش گذار کیا۔ کہ جیجا جی رمائی مسخرے کو عورت کے لباس میں محل کے اندر لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے گاؤں کی عورتوں اور مہارانی کے ساتھ ہنسی کی۔ یہ سنتے ہی پرتاپ دت کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ان کی شکل عجیب قسم کی ڈراونی بن گئی۔ ان کی رگ رگ میں خون کھولنے لگا۔ ان کے سینے میں ایک آگ سی دہکنے لگی۔ اس آگ نے ہوش وحواس اور عقل وتمیز کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ شیر کی طرح گرج کر حکم دیا " لچھمن سردار کو حاضر کرو " حکم کی دیر تھی۔ لچھمن سردار حاضر ہو گیا۔ اس کو دیکھتے ہی حکم صادر ہوا۔ " ہم آج رات کو ہی رام چندر کا کٹا ہوا سر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

لچھمن نے جلد ہی آداب بجا لا کر کہا۔ " جو حکم مہاراج! ــــــ "

چھوٹے راج کمار نے فوراً مہاراج کے پیروں پر گر کر کہا " مہاراج معاف

کیجیے۔ آپ یہ کیا کرنے لگے ہیں ـــــــ وبھا کو تو ایک بار یاد کیجیے ـــــ"

پرتاپ دت نے پھر کڑک کر کہا۔ "آج رات کو ہی ہم رام چندر کا سر چاہتے ہیں"

راجکمار نے ایک دفعہ پھر پاؤں پکڑ کر التجا کی۔ "مہاراج! آج وہ تھکے ماندے محل کے اندر محو خواب ہیں ـــــــ معاف کیجیے.... مہاراج معاف کیجیے"

پرتاپ دت ایک لمحہ خاموش رہے۔ پھر کہا "سنو لچھمن! کل سویرے رام چندر رائے جب محل سے باہر نکلیں، تو انہیں بے خوف ہو کر قتل کر ڈالو۔ یہ ہمارا حکم ہے۔"

راجکمار کے دل میں، جو خیال تھا۔ اس سے کہیں زیادہ سزا کا حکم ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسی وقت وبھا کی خوابگاہ کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔

اس وقت آدھی رات کی نوبت بج رہی تھی۔ رات کے اس سناٹے میں نوبت کی دلکش آواز ـــــ ہوا کے فرحت بخش جھونکے ـــــ چاندنی کا امڈا ہوا سیلاب ـــــ نیم خوابی کی حالت میں دل میں طوفان برپا کر رہے تھے۔ جوانی آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ خوابگاہ کے روشندانوں سے چاند کی کرنیں دودھ جیسی سفید سیج کو اور بھی صاف بنا رہی تھیں۔ رام چندر رائے سو رہے تھے۔ وبھا چُپ چاپ بیٹھی گالوں پہ ہاتھ رکھے دل ہی دل سوچ رہی تھی۔ امنگوں کا ہجوم اسے بے خود بنا رہا تھا۔ اس کی توجہ چاندنی کی طرف منعطف ہوئی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اسے دُکھ اس بات کا تھا کہ اس کی امیدیں بر نہ آئیں۔ جو کچھ اس نے سوچ رکھا تھا۔ ویسا نہ ہوا۔ اس کی آرزوؤں کا محل خاکستر ہو گیا۔ اور اب اس کے دل میں آہوں کے دھوئیں کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ اتنے دنوں سے جس کی انتظار میں آنکھیں فرش راہ تھیں۔ آج اسی کے پاس بیٹھ کر اس سے بات کرنے کو بھی ترس رہی تھی

رام چندر رائے آتے ہی بڑے گھمنڈ سے پلنگ پر محو خواب ہو گئے۔ انہوں نے وبھا کے ساتھ بات تک نہ کی۔ بلکہ اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ پرتاپ دت نے ان کی بے عزتی کی تھی۔ اس کا بدلہ وہ ان کی بیٹی سے لینا چاہتے تھے۔ وہ وبھا پر یہ ظاہر کر دینا چاہتے تھے کہ تم لیشوہر کے مہاراج پرتاپ دت کی بیٹی ہو تو کیا ہوا۔ چندر دیپ کے راجہ رام چندر رائے کی نگاہوں میں تمہاری کوئی وقعت نہیں۔ محض ان ہی خیالات کے زیر اثر وہ منہ پھیر کر سو رہے تھے۔ اور ابھی تک انہوں نے کروٹ بھی نہ بدلی تھی۔ ان کے دل میں جو کچھ گھمنڈ یا غصہ تھا' وہ سب وبھا پر تھا۔ وبھا انہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ وہ ایک بار چاندنی کی طرف اور ایک بار پتی کی طرف دیکھتی تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اس کا نازک دل کانپ اٹھتا تھا۔

یک لخت رام چندر رائے کی نیند ٹوٹ گئی۔ انہوں نے دیکھا۔ وبھا چپ چاپ بیٹھی آنسو بہا رہی ہے۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد ان کا دماغ پُر سکون حالت میں تھا۔ اور ان کے دل میں عزت اور بے عزتی کی کچھ یاد باقی نہ رہی تھی۔ گہری نیند کے بعد ان کے دل کا رُجحان کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ غصہ اور نفرت کے تاثرات غائب ہو چکے تھے۔ وبھا کی مد بھری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کا دل بے چین ہو گیا۔ کنول جیسے نازک مرجھائے ہوئے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان کے دل میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ انہوں نے آہستہ سے وبھا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پیا! تم اس طرح رو رہی ہو ——————"

وبھا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ شرم سے سمٹ کر بستر پر لیٹ گئی۔ رام چندر نے اس کا سر آہستہ سے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کچھ کہنا چاہا، کہ اسی وقت کسی نے

دستک دی۔ رام چندر رائے نے چونک کر پوچھا۔ "کون ہے؟"
باہر سے جواب ملا۔ "جلدی دروازہ کھولو۔"

---

(۱۰)

رام چندر رائے دروازہ کھول کر باہر آئے۔ اور دیکھا ان کا سالا رماپتی کھڑا ہے۔ رماپتی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ جلد یہاں سے بھاگنے کی فکر کریں ——"

آدھی رات کے وقت —— جبکہ وہ راز و نیاز کی دنیا میں پیار و محبت کے نشے میں مدہوش تھے۔ ایسی بھیانک بات سن کر لرز اٹھے۔ ان کا لہو خشک ہو گیا۔ چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی۔ انہوں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے پوچھا "کیوں ——؟" اس سے زیادہ وہ نہ بول سکے۔

رماپتی نے جواب دیا۔ "یہ بتانے کا وقت نہیں —— آپ ابھی یہاں سے چل دیں۔"

اتنے میں وبھا بھی پلنگ سے اتر کر آہستہ آہستہ باہر آ گئی۔ اور نہایت ہی دھیمی آواز سے پوچھا۔ "رما! کیا بات ہے؟"

رماپتی: "یہ بات تمہارے سننے کی نہیں۔"

وبھا کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ سمجھ گئی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اسے فوراً ہی ایک بار وسنت رائے اور ادیادت کا خیال آیا۔ اس لئے اس نے پھر حوصلہ کر کے پوچھا۔ "کیوں رما! کیا ہوا ——؟"

رماپتی نے وبھا کے سوال کا کچھ بھی جواب نہ دے کر رام چندر رائے سے کہا۔

"وقت ضائع ہو رہا ہے۔ آپ اسی وقت پوشیدہ طور پر بھاگنے کی تدبیر کریں۔"

وبھا کے دل میں یک لخت ایک بھیانک ڈر پیدا ہو گیا۔ رما کو وہاں سے جانے کے لئے آمادہ دیکھ کر وہ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اور کہا: "رما! میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ سچ سچ بتا دو کیا بات ہے؟"

رماپتی نے سہمی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ کر کہا: "وبھا شور مت کر۔ میں سب کچھ بتائے دیتا ہوں۔"

رماپتی نے شروع سے لے کر آخر تک تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سب حالات سن کر وبھا نے ایک چیخ مار کر رونا چاہا۔ مگر رماپتی نے جھٹ ہی اس کا منہ بند کر کے کہا۔

"چپ.... چپ ـــــ خاموش رہو۔ یہ کیا ستیاناس کرنے لگیں۔"

وبھا اپنے پھٹتے ہوئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔

رام چندر رائے کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ بے حوصلہ ہو کر بولے۔ "میں اب کیا کروں؟ ـــــ بھاگنے کا کوئی راستہ تو بتا دو۔ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔"

رماپتی نے جواب دیا: "آج پہرے دار محل کے چاروں طرف چوکنے ہو کر پہرہ دے رہے ہیں۔ میں جاتا ہوں۔ اگر فرار کا کوئی راستہ مل گیا، تو میں آپ کو فوراً اطلاع دوں گا۔"

یہ کہہ کر رماپتی جانے لگا۔ لیکن وبھا نے اس کو روک لیا۔ اور کہا۔ "رما! تم کہاں جاتے ہو؟ ـــــ تم ہمارے پاس ہی رہو۔ اگر تم چلے گئے تو ہمیں کس کا سہارا رہے گا۔"

رماپتی: "وبھا! پاگل مت بنو۔ میں تمہارے پاس رہ کر تمہاری بھلائی کے لئے کیا کر دوں گا۔ میں چاروں طرف دیکھ بھال کے ابھی لوٹ آؤں گا۔"

وبھا بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا جسم خوف کے مارے بید مجنوں

کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا۔

"رما! تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ۔ میں ایک بار بھیا کے پاس ہو آؤں" اتنا کہہ کر وبھا ناپتی کانپتی ادیادت کی خوابگاہ کی طرف چلی گئی۔

چاندنی پھیکی پڑ چکی تھی۔ اور چاند آہستہ آہستہ ڈوب رہا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا اپنی سیاہ چادر لئے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ راج محل کے سب لوگ لمبی تانیں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ رام چندر رائے نے اپنی خوابگاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر نگاہ دوڑائی۔ محل کے اندر آمنے سامنے دونوں طرف جتنی بھی کوٹھڑیاں تھیں۔ سب بند تھیں۔ اور ان کے مکین بے کھٹکے ہو کر سو رہے تھے۔ چاند کے مجلۂ تاریکی میں چلے جانے کی وجہ سے دیواروں کا سایہ صحن میں بتدریج پھیلتا جا رہا تھا۔ صحن کے کچھ حصے میں ابھی چاندنی کا نور تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ تاریکی کی آغوش میں سماگیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری فضا اندھیرے میں جذب ہو گئی۔

رام چندر رائے کے خیالات کی رو تفکرات کے دھارے پر سرگرداں تھی۔ ان کے دل کو طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو رہے تھے۔ وہ کبھی دائیں کبھی بائیں، کبھی سامنے اور کبھی پیچھے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے۔ جب انہیں یہ خیال آتا تھا کہ کہیں کسی کونے میں کوئی سیاہ نقاب اوڑھے ان پر وار کرنے کے لئے چھپا بیٹھا ہو۔ اور شاید وہیں نزدیک ہو۔ ممکن ہے وہ چارپائی کے نیچے ہی ہو اس قسم کے مختلف خیالات ان کے دل کی کشتی کو ڈگمگا رہے تھے۔ رہ رہ کر وہ کانپ اٹھتے تھے۔ ان کا حوصلہ پست ہوتا جا رہا تھا۔ موت آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔ جسم سے پسینے کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اچانک ایک اور وہم نے ان کے دل کو گھیر لیا۔ اور انہیں یہ ڈر ہو گیا کہ شاید رماپتی ہی کچھ کر نہ بیٹھے۔ اس لئے وہ اپنی جگہ سے سرک کر آہستہ آہستہ ذرا دور چلے گئے۔ ہوا کے ایک سنسناتے ہوئے جھونکے سے چراغ بجھ گیا۔ اور ان کی جان نکل.

گئی۔ انہیں یقین ہوگیا کہ بس اب خیر نہیں۔ کسی نے چراغ گل کر دیا ہے۔ اور اب وہ ضرور میرا کام تمام کر دے گا۔ وہ ڈر کر رماپتی کے پاس کھسک گئے۔ اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے آواز دی۔

"رماپتی"

رماپتی نے جواب دیا "کیا ہے"

رام چندر رائے خاموش ہو گئے۔ اور وہ یہ نہ سوچ سکے کہ کیا کہنا چاہیے۔ اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ ویبا اگر یہاں ہوتی تو اچھا تھا۔ کیونکہ انہیں رماپتی پر بھی پورا اعتماد نہیں تھا۔

ویبا ادیادت کے پاس جاتے ہی بے سُدھ ہو کر گر پڑی۔ وہ اس قدر گھبرا گئی کہ اس کے منہ سے کوئی بات تک نہ نکل سکی۔ سرما نے اس کو اٹھایا۔ اور ہوش میں لا کر پوچھا: "ویبا! کیا ہوا؟....."

ویبا سرما سے لپٹ گئی۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ ادیادت نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "ویبا! کیا بات ہے!"

ویبا نے بے چین ہو کر ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اور روتے ہوئے کہا۔

"بھیا! میرے ساتھ چلو۔ رما تم سے سب حال کہے گا۔"

تینوں وہاں سے چل کر ویبا کی خوابگاہ کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں رام چندر رائے اندھیرے میں بیٹھے تھے۔ شاید زیادہ گھبرا جانے کی وجہ سے کھڑا ہونے کی طاقت نہ رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی رماپتی کھڑا تھا۔ ادیادت نے پہنچتے ہی پوچھا۔

"رما! کیا بات ہے؟"

رماپتی نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ادیادت جوں جوں سنتے جا رہے تھے۔ ان کی ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جب سب کچھ سن لیا تو اپنی بڑی بڑی موٹی آنکھیں پھاڑ

پھار مکر شرما کی طرف دیکھا ۔ اور کہا " میں ابھی پتا جی کے پاس جاتا ہوں ۔ میں انہیں ایسا کام کبھی نہ کرنے دوں گا "

شرما:۔ کیا وہ آپ کی بات مانیں گے ؟ ـــــ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک بار دادا جی کو اُن کے پاس بھیجئے ۔ شاید ان کے جانے سے کچھ بھلائی ہو جائے ۔

اودیادت:۔ اچھا یونہی سہی

وسنت رائے گہری نیند سو رہے تھے ۔ جب انہیں بیدار کیا گیا ۔ اور انہوں نے اودیادت کو سامنے کھڑا دیکھا ۔ تو سمجھے شاید سویرا ہو گیا ہے ۔ جلد ہی بھیرویں کی تان لینا شروع کر دیا ۔

اودیادت ذرا اور آگے بڑھے ۔ اور بولے " دادا جی ! ایک عجیب مصیبت میں پھنسے ہیں ہم ..... "

وسنت رائے نے گانا بند کر دیا ۔ بستر سے نیچے اتر آئے ۔ اور خوفزدہ ہو کر پوچھا ۔" ارے بھائی ! کیا ہوا ۔ پھر کیسی مصیبت آ پڑی ؟

اودیادت نے سب حال کہہ سنایا ۔ وسنت رائے پھر اپنے بستر پر جا بیٹھے ۔ انہوں نے اودیادت کی طرف دیکھا ۔ اور سر ہلا کر کہا ۔

" نہیں نہیں ، ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے ـــــ یہ ناممکن بات ہے ۔"

اودیادت:۔ اب وقت بہت کم ہے ۔ ایک ایک لمحہ ہمارے لئے قیمتی ہے ۔ آپ اب فوراً ہی پتا جی کے پاس جائیں ـــــ "

وسنت رائے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور آہستہ آہستہ جانے لگے ۔ اور جاتے جاتے بھی وہ کئی بار بولے " یہ بات بھی کبھی ہو سکتی ہے ـــــ ایسا بھی کبھی ہوا ہے "

پرتاپ دتیہ ابھی تک ۔ نہیں سوئے تھے ۔ ان کا طائر تخیل کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا ۔ ایک دفعہ ان کے دل میں آیا کہ کسی سردار کو بلا کر حکم

واپس لے لیں۔ لیکن ایک ہی لمحہ میں یہ ارادہ تبدیل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات ان کے اصول کے خلاف تھی۔ پرتاپ دت کسی حالت میں بھی دو طرح کے حکم نہیں دے سکتے۔ زبان سے ایک حکم دے کر اسی زبان سے وہی حکم واپس لینا ان کی شان کے منافی تھا۔ گویا راجہ کا حکم نہ ہوا۔ بچوں کا کھیل ہو گیا۔ لیکن وبھا! —— وبھا بیوہ ہو جائے گی۔ اس کا سہاگ لٹ جائے گا..... اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ لیکن اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔ رام چندر رائے اگر خود بخود ہی آگ میں کود کر جان دے دیتا، تو بھی وبھا بیوہ ہو جاتی۔ اب بھی وہ دیدہ دانستہ میرے غصے کی آگ میں کود پڑا ہے جس کا خمیازہ اس کو بھگتنا ہی پڑے گا۔ وبھا کی تقدیر میں جو گرہ پڑ چکی ہے۔ اس کا ثمر لازمی طور پر بیوہ پن ہی ہے۔ اس میں میرا کیا دوش ہے —— اور پھر ——
جب اس واقعہ کا تصور ان کی نگاہوں میں پھر جاتا۔ تو ان کا خون کھولنے لگتا۔ دل و دماغ میں ایک آگ سی لگ جاتی۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتیں۔ اور وہ بے قرار ہو اٹھتے۔ تمام باتیں ذہن سے اتر جاتیں۔ اور صرف یہ خیال باقی رہ جاتا کہ کب رات ختم ہوگی

ابھی انہی خیالات کا مد و جزر دماغ میں ہلچل مچا رہا تھا کہ بوڑھے وسنت رائے اپنے خیالات میں مگن، ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اور پرتاپ دت کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بولے" پرتاپ! یہ میں نے کیا سنا ہے "
پرتاپ دت کا غصہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح ابل پڑا۔ وہ جوش سے بولے۔
" کیا سنا ہے "

وسنت رائے" وہ دو دن کا چھوکرا ابھی ان باتوں کو کیا سمجھے مگر تم تو بچے نہیں ہو۔ تمہارا اس قدر غصہ سراسر نامناسب ہے "

پرتاپ دت" کیا کہا۔ وہ ابھی چھوکرا ہے۔ وہ تو بوڑھوں کے بھی کان

کاٹتا ہے ..... کیا وہ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے
——— کیا اسے اتنی بھی تمیز نہیں کہ شاہی خاندان کے وقار کو سمجھ سکے .... وہ
اپنے ساتھ ایک جاہل، بے وقوف، اجڈ، گنوار براہمن کو جو بے عقلوں کے آگے
دانت دکھا کر پیٹ بھرتا ہے، عورت کے بھیس میں محل کے اندر لے آیا۔ اور پھر
اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اس نمک حرام براہمن نے مہارانی سے مذاق کرنے سے بھی گریز
نہیں کیا ———"

اتنا کہہ کر وہ غصے سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ ایک
لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولے۔

"جو شاہی خاندان سے مذاق کرنے کی جرأت کر سکتا ہے اور جس کو اپنی
عقل پر گھمنڈ ہے اور سر میں بھوت سمایا ہوا ہو وہ سر اب دھڑ پر نہ رہے گا۔"

جس قدر وہ زیادہ غصے سے بولتے تھے۔ ان کا ارادہ مستحکم ہوتا گیا، اور
ان کے غصے کی جوالا اور بھی بھڑک اٹھی۔ دسنت رائے نے آہستہ سے کہا۔ "وہ ابھی
نادان ہے۔ برا بھلا کچھ نہیں سمجھتا۔"

پرتاپ دت آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ "دیکھو چچا صاحب! یشوہر
کے شاہی خاندان کی کس بات میں عزت ہے اور کس بات میں بے عزتی۔ اس کا اگر تمہیں
علم ہوتا، تو اس بڈھی عمر میں دہلی کے بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کرتے۔ اور ہر جگہ
اس کی مدح سرائی نہ کرتے پھرتے۔ اس سے تم نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے اور
مجھے سر اونچا کر کے چلنے کے قابل نہیں چھوڑا ... تم بادشاہ کے پاؤں کی خاک ماتھے پر
لگا کر اس کے منظور نظر بن سکتے ہو ——— میری خواہش تھی کہ مسلمانوں کے پاؤں سے
ٹھکراتے ہوئے تمہارے سر کو ہمیشہ کے لئے مٹی میں ملا دوں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور
تھا ..... اب بھی تم نہ سمجھو گے کہ آج شاہی خاندان کی کس قدر توہین ہوئی ہے۔ اور اس

پر بھی تم تو ہین کرنے والے کے لئے معافی کی بھیک مانگنے آئے ہو ـــــ "

وسنت رائے: "پرتاپ! میں سمجھ گیا۔ تم نے جب ایک بار ہتھیار اُٹھا یا ہے۔ تو وہ ایک نہ ایک پہ تو پڑے گا ہی۔ میرا نشانہ خطا گیا، تو کسی دوسرے کو نشانہ بننا ہی تھا۔ اچھا! اگر تمہارے دل میں رحم نہیں ہے اور تمہارے بھوکے غصّے کو ایک سر کی ضرورت ہے، تو مجھے ہی لقمہ بنالو۔ تمہارے چچا کا سر حاضر ہے۔ اسے گردن سے جدا کر دو اور اپنا غصہ ٹھنڈا کر لو ـــــ لاؤ خنجر.... دیر نہ کرو۔ میری زندگی کی تو پہلے ہی شام ہو چکی ہے۔ نہ معلوم چراغ پیری کب بجھ جائے۔ اب تو فرشتۂ اجل نے خود ہی تمام سامان ٹھیک کر رکھا ہو گا ـــــ لیکن اس بات کا خیال کرو۔ دبھا ہماری نازوں پلی بچی ہے۔ تمہارا حکم جب بجلی بن کر اس پر گرے گا۔ تو کیا وہ زندہ بچ سکے گی۔ اس کی آنکھوں سے جب آنسوؤں کی دھارا بہے گی.... اس کا دل خون کے آنسو روئے گا۔ تب ـــــ "

یہ کہتے کہتے وسنت رائے کا گلا بھر آیا۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنے آنسو دامن میں ہی جذب کر لئے۔ اور بے تاب ہو کر بول اُٹھے۔

"پرتاپ! مجھے ابھی مار ڈالو۔ میری زندگی کا کوئی فائدہ نہیں۔ دبھا کو تباہ ہوتے میں نہ دیکھ سکوں گا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے سے پہلے ہی مجھے مار ڈالو "

پرتاپ دت اتنی دیر تک تو خاموش رہے۔ جب وسنت رائے کی بات پوری ہو گئی، تو وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ اب انہیں اس بات کا فکر ہوا: کہ بات ظاہر ہو گئی۔ لیکن پھر بھی ان کے ارادے میں جنبش نہ ہوئی۔ وہ جانتے تھے، کہ دبھا کی زندگی آہوں اور آنسوؤں کا سیلاب بن جائے گی۔ پھر بھی وہ چٹان کی طرح مضبوط رہے۔ خود نیچے جا کر پہرے داروں کو حکم دیا: کہ شاہی محل کی نہر بڑے بڑے شہتیروں سے ابھی بند کر دی جائے۔ کیونکہ اسی نہر میں رام چندر رائے کی کشتی

تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے پہرے داروں کو اس بات کی سخت تاکید کر دی، کہ آج کی رات محل سے کوئی بھی باہر نہ جانے پائے۔

---

(۱۱)

وبھا کو یہ امید تھی کہ وسنت رائے کسی نہ کسی طریقے سے اس معاملے کو رفع دفع کر دیں گے۔ اس آس سے اس کی کچھ ڈھارس بندھ گئی۔ مگر جب وسنت رائے حرم سرا میں لوٹ آئے۔ اور ان کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا، تو وبھا کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی نہ رہا۔ وسنت رائے نے آتے ہی ادیا دت کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"بیٹا! اب تم ہی کوئی طریقہ نکالو ——"

اتنا سنتے ہی رام چندر رائے گھبرا اٹھے۔ وہ تو پہلے ہی نیم جان ہو رہے تھے۔ اب رہی سہی ہمت بھی ہار بیٹھے۔ چہرے پر مردنی سی چھا گئی۔ ادیا دت نے صورت حالات کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور کہا ——

"آؤ! —— میرے ساتھ ساتھ آؤ۔"

سب ان کے ساتھ چلنے لگے۔ ادیا دت نے دیکھا۔ وبھا بھی ساتھ آ رہی ہے۔ تو وبھا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: —— وبھا! تم نہ آؤ..... تمہیں یہیں ٹھہرنا چاہئے ——"

وبھا نے انکار میں سر ہلایا۔ تو رام چندر رائے نے کہا —— "کوئی بات نہیں۔ وبھا کو ساتھ آنے دو ——"

اس خاموش اور سنسان رات میں سب دبے پاؤں آہٹ بچا بچا کر چلنے لگے۔ ہر ایک کے دل میں یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم کیا ہوگا۔ رام چندر رائے کا دل ڈوبنے لگا۔ انہیں ایسا معلوم ہوا۔ جیسے اس ہولناک تاریکی میں چاروں طرف سے اُن کو پکڑنے کے لئے کوئی ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اس لئے وہ خوف زدہ ہو کر پھٹی ہوئی آنکھوں سے اپنے ارد گرد دیکھنے لگے۔ انہیں رہا پتی پر نہ رہ کر شک ہونے لگا۔ اسی اثنا میں وہ حویلی کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ادیا دت نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ حویلی سے باہر جانے کا دروازہ بند تھا۔

دبھانے ڈر سے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ——— "بھیا! شاید سُرنگ کی راہ سے باہر جانے کا دروازہ کھلا ہو ——— وہیں چلیں" سب کے سب اسی طرف ہو لئے۔ گھُپ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر سیڑھیوں پر پاؤں رکھتے ہوئے نیچے اُترنے لگے۔ رام چندر رائے کے دل میں خیال آیا، اور انہوں نے دل ہی دل میں کہا "معلوم ہوتا ہے نیچے جا کر ہم میں سے کوئی بھی اوپر نہ آسکے گا۔ شاید واسکی[1] ناگ کا بل یہی ہے۔ یا پھر نیچے پاتال میں جانے کا راستہ یہی ہے۔" سیڑھیاں ختم ہونے پر دروازے کے نزدیک جا کر دیکھا گیا۔ یہ دروازہ بھی بند تھا۔ چار و ناچار سب اُلٹے پاؤں آہستہ آہستہ واپس آ گئے۔ حویلی سے باہر جانے کے جتنے بھی دروازے تھے۔ سب بند تھے۔ وہ سب مل کر ایک ایک دروازہ پر گھومے۔ بلکہ ایک ایک دروازہ پر دو دو تین تین بار گئے۔ مگر بجز مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ایک تو جان پر بنی ہوئی تھی۔ دوسرے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ذرا سی غفلت پرتاپ دت کے عتاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔ اس لئے قدم پھونک پھونک کر چلنا پڑتا تھا۔ مگر وہ سب اس قدر ہراساں ہو چکے تھے۔ کہ کسی کا دماغ کام نہ کرتا تھا۔

---

[1] ایک قسم کا زہریلا سانپ۔

جب وبھا نے دیکھا' باہر جانے کے سب راستے مسدود ہیں۔ اور اب فرار کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تو اس نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھ ڈالے۔ اور رام چندر رائے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ دروازے کے نزدیک پہنچ کر اُس نے پُرجوش آواز میں کہا ——— "میں دیکھوں گی اس گھر سے نکال کر آپ کو کون لے جا سکتا ہے ——— جہاں آپ جائیں گے میں ساتھ رہوں گی۔ کس میں ہمت ہے جو مجھے روکے گا۔"

ادیادت نے دروازے کے نزدیک کھڑے ہو کر کہا ——— "جب تک جسم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ اس مکان کے اندر کوئی پاؤں نہ رکھ سکے گا ———"

سُرما اپنے خاوند کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ وسنت رائے سب کے آگے کھڑے تھے۔ رماپتی آہستہ آہستہ چلے گئے۔ لیکن رام چندر رائے کو یہ انتظام پسند نہ آیا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ پرتاپ دت نہایت ہی سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ ان کے آگے وبھا اور ادیادت کی ایک نہ چلے گی۔ اس لئے ان پر بھروسہ کر کے زندگی ان کے رحم پر چھوڑ دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ جان بچانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ کسی طرح اس مکان کے باہر نکل جاؤں۔ ورنہ خیر نہیں۔

کچھ دیر بعد سُرما نے دھیمی آواز میں ادیادت سے کہا ——— "یہاں اس طرح کھڑے رہنے سے کچھ فائدہ ہونے کی امید نہیں۔ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں رہ کر مہاراج کے حکم میں جس قدر رکاوٹ ڈالی جائے گی۔ اس کا اثر اُلٹا ہی ہوگا۔ اور اُن کا ارادہ اور بھی مضبوط ہوتا جائے گا ——— اسی لیے بہتر ہوگا جس طرح بھی ہو سکے، فوراً ان کے فرار کا انتظام کیجئے......

ادیادت کچھ دیر تک مایوسانہ سُرما کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔

——— "اچھا! میں جاتا ہوں جس طرح بھی ہو سکا۔ میں کوشش کروں گا۔ شاید کام بن جائے۔"

سُرمانے پر زور تائید کرتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ "ضرور جائیے۔"

ادیادت نے جو چادر لپیٹ رکھی تھی، وہیں رکھ دی۔ سُرما کچھ دور تک اُن کے ساتھ ساتھ گئی۔ اکیلی جگہ پر جاکر وہ ان کے گلے سے لپٹ گئی۔ ادیادت نے سر جھکا کر پیار سے اس کا منہ چوم لیا۔ اور جلد ہی وہاں سے آگے بڑھے۔ اور سُرما اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئی تھیں۔ اور وہ ہاتھ جوڑ کر بھگوتی ماتا سے پرارتھنا کرنے لگی۔

"اے دیوی! ——— اگر میں سچی پتی برتا ہوں۔ تو مہاراج کے عتاب سے میرے مالک کی حفاظت کرنا۔ میں نے صرف تمہارے بھروسے پر اس مصیبت میں کودنے کا مشورہ دیا ہے ...... ماں! ان کی حفاظت ضرور کرنا ... ضرور لاج رکھنا ———"

اس کے بعد سُرما کا گلا بھر آیا اور وہ رونے لگی۔ اس نے اندھیرے میں ہی بیٹھ کر نہ معلوم کتنی بار "ماں، ماں" کہہ کر پکارا۔ مگر اس کے دل کو تسکین نہ ہوئی۔ اور اس کے دل نے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ 'ماں' نے اس کی پکار نہیں سُنی۔ اس نے دل ہی دل میں اس کے پیروں پر جو پھول چڑھائے۔ وہ اس نے منظور نہیں کیے۔ اور اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ پھول نیچے گر پڑے ہیں۔ سرمانے درد بھرے لہجہ سے رو کر کہا ——— ماں! میں نے کیا خطا کی؟ ——— اُس کو اِس سوال کا بھی جواب نہ ملا۔ اب اس کے دل میں ایک خوفناک اندیشے نے جگہ لے لی۔ اس اندھیرے میں اسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ اس کے چاروں طرف بھوت ناچ رہے ہیں اُس نے تصور ہی تصور میں اپنے ارد گرد مصیبت کی دہکتی ہوئی آگ دیکھی۔ وہ ڈر کے

مارے اپنے کمرے میں اکیلی نہ بیٹھ سکی۔ اس لئے وہاں سے اٹھ کر وتھا کی خوابگاہ میں چلی آئی۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا۔ ان لوگوں کی پریشانی اور سراسیمگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ سرما کو دیکھ کر وسنت رائے نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا: "اویادت اب تک لوٹ کر نہیں آیا... نہ معلوم کیا ہوگا؟" سرما نے دیوار کے سہارے کھڑی ہو کر کہا ——— "قدرت کو جو منظور ہوگا۔ وہی ہوگا۔"

رام چندر رائے دل ہی دل میں کچھ اور ہی کھچڑی پکا رہے تھے۔ وہ اپنے پرانے دشمن رام موہن کو تباہ کرنے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ کیونکہ یہ تمام مصیبت اسی کے طفیل نازل ہوئی تھی۔ جس جس طرح اس کو تباہ کیا جا سکتا تھا۔ یا اس کو جو جو سزائیں دی جا سکتی تھیں۔ ان کے متعلق منصوبے باندھ رہے تھے۔ لیکن جس وقت ہوش آتا۔ اور وقت کی نزاکت کی طرف خیال جاتا۔ تو وہ سرد آہ بھر کر رہ جاتے۔ کیونکہ وہ اب اس امید سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ کہ رام موہن کو سزا دینے کا موقعہ مل سکے گا۔

اویادت ہاتھ میں تلوار لئے صدر دروازے پر پہنچے۔ اور زور سے دروازے پر ٹھوکر مار کر بولے ——— "کون ہے؟" باہر سے جواب ملا "جی! میں ہوں، سیتا رام۔"

ولی عہد نے کڑک کر کہا: "جلدی دروازہ کھولو۔"

دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ اویادت جب وہاں سے آگے بڑھنے لگے تو سیتا رام نے ہاتھ جوڑ کر کہا ——— "ولی عہد! معاف کیجئے۔ آج رات محل سے باہر جانے کی کسی کو اجازت نہیں۔"

اویادت: "سیتا رام! کیا تم مجھے بھی روکو گے؟..... اچھا تو اپنا ہتھیار سنبھالو۔" یہ کہہ کر انہوں نے تلوار میان سے کھینچ لی۔

سیتارام نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "نہیں حضور! میں آپ کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھا سکتا ——— آپ نے دو دفعہ میری جان بخشی کی ہے" یہ کہہ کر اس نے ولی عہد کے پیروں کی مٹی سر پر لگائی۔

اودیادت۔ "تو پھر بولو۔ تم کیا چاہتے ہو؟ .... جلدی کہو۔ اب وقت نہیں ہے"

سیتارام۔ "میری جس زندگی کی آپ نے دو دفعہ حفاظت کی ہے اب اس کا خاتمہ نہ کیجئے .... آپ میرا ہتھیار ضبط کر لیں۔ اور میرے ہاتھ پاؤں خوب کس کر باندھ دیں۔ نہیں تو مہاراج کے غصے سے بچنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔"

اودیادت نے ہتھیار لے لیا۔ اور اسی کے کپڑے سے اس کو کس کر باندھ دیا۔ وہ خاموشی سے اسی جگہ پڑا رہا۔ اب اودیادت آگے بڑھے۔ کچھ دور آگے جا کر ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ اس دیوار میں صرف ایک دروازہ تھا۔ وہ بھی بند تھا۔ محل سے باہر جانے کا یہی سب سے بڑا راستہ تھا۔ اودیادت نے دروازے کو دھکا دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے وہ دیوار پھاند کر دیوار پر چڑھ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس دروازے کا محافظ دیوار کا سہارا لے کر مزے سے سو رہا ہے۔ وہ بڑی احتیاط سے نیچے اُترے۔ اور پھرتی سے اس کے پاس جا کر پہلے تو اس کا ہتھیار چھین لیا۔ اور پھر اس گھبرائے ہوئے پہرے دار کو سر سے پاؤں تک خوب کس کر باندھ دیا۔ دروازے کی کنجی پہرے دار کے پاس تھی۔ وہ اس کی جیب سے نکال کر دروازہ کھول دیا۔

اتنی دیر کے بعد جب پہرے دار کو پوری طرح ہوش آیا۔ تو اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "ولی عہد! آپ یہ کیا کرتے ہیں؟"

اودیادت: "کچھ بھی تو نہیں .... یہ ذرا دروازہ کھول دیا ہے۔"

پہرے دار: "حضور! میں مہاراج کو کیا جواب دوں گا۔"

اودیادت: "کہہ دینا۔ ولی عہد نے زبردستی دروازہ کھول ڈالا ——— اس

سے تمہاری جان بچ جائے گی۔"

اودیادت وہاں سے نکل کر آگے بڑھے اور اس کمرے میں پہنچے۔ جہاں راجہ رام چندر رائے کے ہمراہی تھے۔ مگر وہاں صرف رام موہن اور ساتی سو رہے تھے۔ باقی لوگ شاید کھانا پکا کر کشتی پر چلے گئے تھے۔ اودیادت نے رام موہن کو آہستہ سے جگایا۔ وہ چونک کر جاگ اٹھا۔ اور تعجب سے بولا "ولی عہد! کیا بات ہے؟"

اودیادت: "باہر آؤ"

جب رام موہن باہر آیا، تو اودیادت نے سب حال کہہ سنایا۔ رام موہن نے سر پر چادر لپیٹ کر ہاتھ میں لاٹھی پکڑ لی۔ اور غصے سے کہا "دیکھوں گا... کچھن سردار کتنے پانی میں ہے..... آپ ایک دفعہ ہمارے مہاراج کو میرے پاس پہنچا دیں۔ پھر کس کی مجال ہے جو ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھ سکے.... میں اکیلا اس لاٹھی سے سو آدمیوں کو بھگا سکتا ہوں ——"

اودیادت: "یہ تو ٹھیک ہے۔ اس بات کو میں بھی مانتا ہوں۔ لیکن یشوہر میں صرف سو آدمی تو نہیں..... اس لئے تم زبردستی کچھ نہ کر سکو گے۔ اس لیے کوئی اور طریقہ سوچو۔"

رام موہن: "حضور! اس وقت تو مجھے کچھ نہیں سوجھتا۔ آپ مہاراج کو میرے پاس لے آئیں۔ جب وہ میرے پاس کھڑے ہو جائیں گے۔ تو میں بے فکر ہو کر کچھ سوچ سکوں گا۔"

یہ سن کر اودیادت پھر محل کے اندر گئے۔ اور راجہ رام چندر رائے کو ساتھ لائے ان کے ہمراہ باقی آدمی بھی تھے۔ رام چندر رائے رام موہن کو دیکھتے ہی غصے سے تمتما اٹھے۔ اور بولے "ہم تمہیں نوکری سے موقوف کرتے ہیں۔ ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ —— تم پرانے آدمی ہو، اس لئے تمہیں اس سے زیادہ کیا سزا

دی جائے؟ اگر ہم چندر دیپ واپس جانے میں کامیاب ہوگئے۔ تو تمہارا منہ نہ دیکھیں گے:" یہ کہتے کہتے ان کا گلا رک گیا۔ دراصل وہ رام موہن کو بہت چاہتے تھے۔

رام موہن نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔" مہاراج! آپ مجھے نوکری سے کیا الگ کرینگے میری یہ نوکری تو پرماتما کی دی ہوئی ہے جس دن فرشتہ اجل کی عنایت ہوگی۔ یہ نوکری بھی ختم ہو جائے گی۔ آپ مجھے اپنے پاس رکھیں یا نہ رکھیں۔ میں تو آپ کا نوکر ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رام چندر رائے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اودیادت نے اس کو مخاطب کیا ——" کیوں رام موہن! کوئی تجویز سمجھ میں آئی؟ ——"

رام موہن:" آپ کے قدموں کی دعا یہ لاٹھی ہی سب مشکل حل کردے گی کالی ماتا کے بھروسے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اودیادت نے سر ہلا کر کہا۔" نہیں، یہ طریقہ ٹھیک نہیں —— اچھا رام موہن تمہاری کشتی کس طرف ہے۔"

رام موہن:" جی! شاہی محل کی جنوبی نہر میں ——"

اودیادت:" اچھا تو پھر ایک بار چھت پر چلیں۔"

رام موہن کے ذہن میں بھی کوئی تجویز آگئی۔ اس نے بھی اس بات کی تائید کی۔" جی ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

بعض اوقات خطرے کے وقت انسان کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت کسی کو جو بھی خیال آتا ہے، سب کو اس کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ سب لوگ چھت پر پہنچے۔ شاہی محل کی چھت سے چالیس پچاس ہاتھ نیچے نہر تھی۔ اور اسی نہر میں راجہ رام چندر رائے کی بڑی کشتی موجود تھی۔

رام موہن نے چھت سے نیچے نہر کی طرف جھانک کر کہا۔ "میں مہاراج کو اپنی پیٹھ سے باندھ کر نہر میں کود پڑتا ہوں ـــــ" اتنا سنتے ہی سب چلا اُٹھے ـــ بسنت رائے خوف زدہ ہوکر رام موہن کو پکڑ کر بولے ــــــ "نہیں نہیں! یہ کیسے ہوگا۔ رام موہن یہ ناممکن ہے۔"

دبھا ڈر سے چونک کر بولی۔ "نہیں رام موہن! یہ نہ ہو سکے گا۔"

رام چندر رائے نے کہا: "اونہوں یہ ٹھیک نہ ہوگا۔"

اودیادت سب کو وہیں چھوڑ کر پھر نیچے اتر آئے۔ کئی بڑی بڑی چادریں اکٹھی کیں۔ اور پھر اوپر لے گئے۔ رام موہن نے ان کو خوب اینٹھ کر اور آپس میں گانٹھیں دے کر ایک بڑی سی رسّی بنالی۔ اب جس طرف ان کی کشتی تھی اس طرف چھت کے اوپر ایک پائے کے ساتھ رسّی کا ایک سرا باندھ دیا۔ اور دوسرا سرا نیچے لٹکا دیا۔ تو وہ کشتی تک پہنچ گیا ـــــــ اس طرح مشکل کچھ آسان ہوتی نظر آئی۔ مگر پھر بھی ابھی تک سب کے دم خشک تھے۔

رام موہن نے رام چندر رائے سے کہا: "مہاراج! آپ خوب زور سے میری پیٹھ کو لپٹ کر پکڑ لیں۔ اور میں رسّی کے سہارے نیچے اتر جاؤں گا۔"

رام چندر رائے نے لاچار ہو کر اس بات کو مان لیا۔ اس جگہ جتنے بھی آدمی موجود تھے۔ رام موہن نے سب کے پاؤں چھو کر پرنام کیا۔ اور "جے ماں کالی" کہہ کر رام چندر رائے کو اپنی پیٹھ پر چڑھا لیا۔ رام چندر رائے نے آنکھیں بند کر کے خوب زور سے رام موہن کی پیٹھ پکڑ لی۔ چلتے وقت رام موہن نے دبھا کی طرف دیکھ کر کہا: "ماں! میں اب جاتا ہوں۔ تمہاری اس اولاد کے ہوتے ہوئے ڈر کی کوئی بات نہیں ـــــ"

اتنا کہہ کر اس نے رسّی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور اُترنا شروع کر دیا۔

دبھا وہیں چھاتی پر پتھر دھرے کھڑی رہی - وسنت رائے خوف کے مارے کانپنے لگے - انہوں نے آنکھیں بند کرلیں - اور درگا دیوی کو یاد کرنے لگے مصیبت کی گھڑیاں بھی پہاڑ معلوم ہوتی ہیں - آخر رام موہن رسّی کی مدد سے نیچے پہنچ جانے میں کامیاب ہوگیا - پہلے تو اس نے رسّی کو دانتوں سے پکڑ لیا - اور رام چندر رائے کو اپنے بازوؤں میں لے کر بڑی احتیاط سے کشتی میں اُتار دیا - اس کے بعد وہ خود بھی کشتی میں کود پڑا - رام چندر رائے تو کشتی میں پاؤں رکھتے ہی بے ہوش ہوگئے - ادھر دبھا بھی ایک لمبی سانس لے کر گر پڑی - اس کے گرنے کی آواز سن کر وسنت رائے نے آنکھیں کھول دیں - اور گھبرا کر کہا " ارے یہ کیا ہوا ——"

ادیادت دبھا کو بے ہوشی کی حالت میں اُٹھا کر نیچے محل میں لے گئے - تو سُرما نے ادیادت کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا —— " آپ نے اپنے لیے بھی کوئی تدبیر سوچی ہے —— ؟ "

ادیادت " میرے لئے تم کچھ فکر نہ کرو ——"

ادھر ملاحوں نے کشتی کھول دی ، اور اسے پانی کے دھارے پر چھوڑ دیا - راجہ رام چندر رائے بے سدھ ہو کر کشتی میں پڑے رہے - کچھ دور آگے جا کر یکا یک کشتی رُک گئی - بڑے بڑے ساکھو کے شہتیروں سے نہر بند کر دی گئی تھی -

رام موہن اور ملاحوں نے شہتیروں کو ہٹانا شروع کر دیا - اتنی دیر میں پہرے داروں نے بھی دور سے دیکھ لیا - کہ کشتی بھاگی چلی جا رہی ہے - اس لئے انہوں نے پتھر برسانے شروع کر دئے - مگر ایک پتھر بھی کشتی تک نہ پہنچ سکا - اور وہ کشتی آگے بڑھالے جانے میں کامیاب ہوگئے - جب وہ بھیرو ندی میں پہنچ گئے - تو فرنانڈز نے ایک توپ داغ دی -

---

(۱۴)

سانجھ کے ستارے طلوع ہو رہے تھے۔ ہوا میں معمولی سی خنکی آ گئی تھی۔ پرتاپ دت کے پریشان دماغ پر نیند نے غلبہ پا لیا۔ اور وہ اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ لیکن ان کو سوئے ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی، کہ اچانک توپ کی آواز سن کر ان کی نیند ٹوٹ گئی۔ اور انہوں نے دربان کو آواز دی۔ مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ خود بڑی تیزی سے اٹھ کر باہر آئے۔ اور دیوان کو پکارا۔ ایک نوکر دوڑا دوڑا دیوان کو بلا لایا۔ دیوان کو دیکھتے ہی پرتاپ دت نے پوچھا۔

"پہرے دار کہاں گئے؟"

وزیر سمجھ گیا، کہ پھر کوئی نیا گل کھلا ہے۔ اور کوئی بلا سر پر آیا چاہتی ہے

پرتاپ دت نے پھر کہا۔ "اندر کے پہرہ دار؟"

دیوان: "حضور! میں نے ابھی آتے وقت دیکھا ہے۔ وہ جکڑے ہوئے پڑے ہیں۔" انہوں نے مہاراج کے سوال کا صاف صاف جواب دے دیا۔ کیونکہ وہ جتنا ہی بال کی کھال اتارتے، اتنا ہی مہاراج کا پارہ بڑھ جاتا۔ اب انہیں رات کا حال کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس لئے وہ کچھ اندازہ بھی نہ کر سکتے تھے، لیکن اتنا ضرور سمجھ گئے، کہ کوئی خوفناک واردات ہوئی ہے۔ جس کے متعلق اب مہاراج سے کچھ پوچھنا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔

پرتاپ دت نے پھر بڑے غصے سے پوچھا: "رام چندر، ادیا دت، اور وسنت رائے سب کہاں ہیں؟"

دیوان نے آہستہ سے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے وہ سب محل کے اندر ہی ہیں؟"

پرتاپ دت نے جھلا کر کہا: "معلوم تو ہمیں بھی ہوتا ہے۔ ہم نے محض قیاس لگانے کے لئے تو تمہیں نہیں پوچھا۔

دیوان کچھ جواب دئے بغیر باہر چلے گئے۔ رماپتی سے رات کی ساری واردات معلوم ہوئی۔ جب یہ سنا کہ رام چندر رائے محل سے فرار ہو گئے ہیں۔ تو ان کے دل میں فکر پیدا ہو گئی۔ اب دیوان نے باہر جا کر دیکھا۔ کہ رمائی بیٹھا ہے۔ ایک نوکر کو حکم دیا کہ اس کو مہاراج کے پاس لے جائے۔

رمائی کو دیکھتے ہی پرتاپ دت ایک دم جل اٹھے۔ اس پر بھی جب رمائی نے ان کو خوش کرنے کے لئے دانت نکال کر اور عجیب قسم کا منہ بنا کر کوئی مزاحیہ بات کہنی شروع کی۔ تو پرتاپ دت برداشت نہ کر سکے۔ وہ جھٹ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بڑی نفرت سے کہا

"ہٹاؤ ——— اس رذیل کو یہاں سے دور کرو۔ ہم اس کا منہ تک نہیں دیکھنا چاہتے۔"

رمائی جلد ہی وہاں سے نکال دیا گیا۔ اتنے میں دیوان واپس آ گیا۔ اور کہا

"مہاراج! داماد ———"

پرتاپ دت نے بات کاٹتے ہوئے نفرت سے سر ہلا کر کہا: "رام چندر"

دیوان: "جی ہاں۔ وہ کل رات ہی راج محل چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

پرتاپ دت: "رات کو ہی چلا گیا ——— پہرہ دار کہاں گئے ہیں؟"

دیوان: "حضور! باہر کے پہرہ دار بھاگ گئے ہیں۔"

پرتاپ دت نے غصے سے مٹھیاں کستے ہوئے کہا: "بھاگ گئے ہیں ——— بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ جہاں کہیں بھی ہوں۔ انہیں پکڑ کر ہمارے...... سامنے پیش کیا جائے.... اب اندر کے پہرہ داروں کو حاضر کرو۔"

دیوان پھر وہاں سے چلا گیا۔

صبح کی دیوی کا چہرہ بے حجاب ہوتے ہی گلگوں ہو گیا۔ سورج کی کرنیں سکوت کے پردے کو تار تار کرنے لگیں۔ دنیا کی چکی ایک بار پھر چلنے لگی۔ وسنت رائے نے بھی اس وقت اطمینان کی سانس لی۔ سہمے ہوئے دل کے حوصلوں کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنے باختہ حواس کو یکجا کیا۔ اور مضبوط دل سے ایک دفعہ پھر رات کے واقعات پر نظر ڈالی۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ اب ادیا دت کی بھی خیر نہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ محل کے صدر پھاٹک پر پہنچے۔ جہاں پہرے دار سیتا رام بندھا ہوا پڑا تھا۔ انہوں نے سیتا رام سے کہا —— "دیکھو سیتا رام! جب پرتاپ دت تم سے پوچھیں کہ تمہاری یہ درگت کس نے کی ہے، تو تم میرا نام لینا..... وہ جانتے ہیں کہ کسی وقت میری طاقت کا بھی لوہا مانا جاتا تھا۔ اس لئے وہ تمہاری بات پر یقین کر لیں گے۔"

سیتا رام بھی اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ وہ مہاراج کے سامنے کیا جواب دے گا۔ مگر ابھی تک وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا تھا۔ کہ وہ کسی صورت میں بھی ادیا دت کا نام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے وسنت رائے کی بات مان لی۔

اس کے بعد وسنت رائے دوسرے پہرے دار کے پاس گئے۔ اور اس سے بھی کہا —— "دیکھو بھاگوت! پرتاپ دت کے پوچھنے پر تم کہہ دینا کہ میں نے تمہیں باندھا ہے۔"

بھاگوت۔ "ہرے رام! مجھ سے ایسی بات نہ کہئے۔ مجھ سے یہ پاپ نہ ہوگا...."

وسنت رائے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "بھاگوت! اس میں کوئی پاپ نہیں۔ ایک بھلے آدمی کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا اگر گناہ ہوتا، تو میں تمہیں ایسا کرنے کے لئے کبھی نہ کہتا۔"

بھاگوت۔ "نہیں مہاراج! مالک کے سامنے جھوٹ کیسے بولوں گا؟"

یہ سُن کر وسنت رائے کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ گھبرا اُٹھے۔ اور انہیں اس بات کا فکر ہوگیا کہ اگر بھاگوت کسی طرح راضی نہ ہوا۔ تو بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے پھر کہا۔ " بھاگوت! جو کچھ میں تمہیں کہتا ہوں اسی میں تمہاری بھی بھلائی ہے۔ اور پھر جب میں کہتا ہوں کہ اس طرح کہنے سے پاپ نہیں ہوگا۔ پھر تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے ——— دیکھو اگر تم میری بات مان لو گے۔ تو میں تمہیں خوش کر دوں گا۔ اچھا ابھی لو۔ جو کچھ اس وقت میرے پاس ہے۔ وہ لے لو ——"

بھاگوت نے جلدی ہی ہاتھ بڑھا کر وہ روپے لے لئے۔ اور دھوتی کے پلو میں لپیٹ کر باندھ لئے۔ وسنت رائے اب کچھ بے فکر ہو کر واپس لوٹ آئے۔

دونوں پہرہ داروں کو پرتاپ دت کے سامنے پیش لیا گیا۔ دیوان بھی اُن کے ہمراہ ہی تھا۔ پرتاپ دت اپنے غصّے کو دبائے چُپ چاپ بیٹھے تھے۔ انہوں نے پہلے تو دونوں پہرہ داروں پر ایک نگاہ ڈالی۔ پھر نہایت ہی آہستہ کہا ———
" رات کو حویلی کا پھاٹک کیونکر کھولا گیا؟"

سیتارام کا دل لرز اُٹھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ " مہاراج کی دُہائی ہو۔ اس میں میرا قصور نہیں۔"

پرتاپ دت نے بھویں سکیڑتے ہوئے کڑک کر کہا: "ہم نے کیا پوچھا ہے۔ اور تم کیا کہتے ہو؟"

سیتارام نے جھٹ جواب دیا: "جی نہیں۔ حضور عرض کرتا ہوں۔ ولی عہد جی کو زبردستی باندھ کر حویلی سے باہر لے گئے تھے۔"

جس بات کو چھپانے کے لئے سیتارام نے انتہائی کوشش کی تھی۔ وہ پرتاپ دت کے غصّے کے سامنے سب سے پہلے زبان پر آگئی۔ اس نے ارادہ کر لیا

تھی کہ وہ ولی عہد کا نام کسی طرح بھی نہ لے گا۔ اور اس کے متعلق احتیاط بھی کافی کی تھی۔ مگر گھبراہٹ میں سب سے پہلے ولی عہد کا نام نوکِ زبان سے ٹپک پڑا۔ لیکن اب جبکہ ایک بار ولی عہد کا نام لے چکا تھا۔ اس کو چھپانے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔

ادھر وسنت رائے کو بھی معلوم ہو گیا کہ پہرہ دار پرتاپ دت کے سامنے پیش ہیں تو وہ بھی بڑبڑاتے ہوئے پرتاپ دت کے پاس آ پہنچے۔ اس وقت سیتا رام کا بیان ہو رہا تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا: "حضور! ولی عہد کو میں نے بہت منع کیا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی....."

وسنت رائے فوراً بول اُٹھے۔ "ہیں ہیں! سیتارام کیا کہا تم نے.........
پاپ نہ کرو سیتارام! کچھ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ بھگوان تم پر خوش ہوں گے۔۔۔ اویادت کا بھلا اس میں کیا قصور ہے؟"

سیتارام نے بھی جلدی میں کہہ ڈالا۔ "جی نہیں۔ ولی عہد کا تو کوئی قصور نہیں۔"

اس پر پرتاپ دت نے ڈانٹ کر کہا۔ "تو پھر سب قصور تمہارا ہی ہے؟"

سیتارام: "جی نہیں...."

پرتاپ دت: "تو پھر قصور کس کا ہے؟"

سیتارام: "جی.... ولی عہد....."

اس کے بعد جب بھاگوت سے پوچھا گیا۔ تو اس نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ لیکن اپنے بے خبر ہو کر سونے کی بات کا ذکر تک نہ کیا۔ اب وسنت رائے نے اویادت کو پرتاپ دت کے عتاب سے بچانے کے لئے عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے۔ مگر کوئی تجویز سمجھ میں نہ آئی۔ آخر آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں پرارتھنا کرنے لگے۔ ایک مایوس انسان کے لئے آخری سہارا یہی باقی رہ جاتا ہے۔

دونوں پہرہ دار اسی وقت معطل کر دیئے گئے۔ وہ اگر کسی سے زبردستی باندھے جا سکتے ہیں۔ یا اس قدر آسانی سے مغلوب ہو سکتے ہیں۔ تو پہرہ داری کس بل بوتے پر کرنے آئے تھے۔ اس جرم کی سزا میں انہیں کوڑوں سے پیٹے جانے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد پرتاپ دت، وسنت رائے کی طرف دیکھ کر بادل کی طرح گرجے۔ "اودیادت کا یہ قصور ناقابلِ معافی ہے ....." وہ وسنت رائے سے کچھ اس طرح مخاطب ہوئے۔ جیسے یہ سب قصور ان کا ہی ہے۔ اور وہ محض اودیادت کی آڑ میں انہیں پھٹکارنا چاہتے ہیں۔

وسنت رائے نے جواب دیا۔ "اودیا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

پرتاپ دت نے ماتھے پر بل ڈال کر غصے سے کہا۔ "اودیا کا قصور نہیں ہے۔ —— تمہارا اس قدر کہنا ہی اس کو زیادہ قصوروار بنا کر سزا دلا رہا ہے۔ مگر تم اس کی وکالت کرنے کے لئے کیوں آئے ہو .... وہ قصوروار ہے یا نہیں اس کا فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں کس نے کہا ——"

وسنت رائے نے دیکھا کہ جس قدر وہ اودیادت کی طرف داری کریں گے۔ پرتاپ دت کا اس کو سزا دینے کا ارادہ مضبوط ہوتا جائے گا۔ اس لئے وہ بالکل ہی خاموش رہے۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد پرتاپ دت نے آہستہ سے کہا —— اگر ہم جانتے کہ اودیادت میں بھی کچھ طاقت ہے۔ اس کے دماغ میں بھی کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی سمجھ کے مطابق کرتا ہے ... تو آج اس کی زندگی کا بچنا محال تھا۔

لیکن جب ہم یہ جانتے ہیں کہ اس بے وقوف کو جو بھی چاہے۔ اپنے اشاروں پر نچا سکتا ہے۔ ہم اس پتنگ کو جہاں کہیں بھی اڑتا دیکھتے ہیں۔ ہم سمجھ جاتے ہیں کہ

اس کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو سزا دینے کو دل نہیں چاہتا۔ وہ ایک بے وقوف بچے کی طرح سزا دینے کے لائق بھی نہیں۔ اور ہمیں مجبوراً اس کی طرف سے لا پرواہی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن تم سے کہے دیتے ہیں کہ اگر پھر کبھی یشوبرا آ کر اس سے ملو گے تو اس کی زندگی کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔" وسنت رائے کافی دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ کہا ـــــــ "اچھا پرتاپ! آج شام کو میں یہاں سے چلا جاؤں گا" ـــــــ یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور باہر چلے گئے۔

---

(۱۳)

اودیادت کو بھی معلوم ہو گیا، کہ دونوں پہرہ دار نوکری سے الگ کر دئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ایک تو پہلے ہی عیال داری بلائے بے درماں تھی۔ اب پیٹ کی آگ سلگنے لگی۔ تو ان کو جان کے بھی لالے پڑ گئے۔ ان کی یہ خستہ حالت دیکھ کر اودیادت نے ان کا کچھ ماہانہ مقرر کر دیا۔

بعض برائیاں مکر و فریب کے پردے میں چھپا لی جاتی ہیں۔ اور کچھ دولت کی روپہلی چادر سے ڈھانپ دی جاتی ہیں۔ مگر نیکی کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں رکھی جا سکتی۔ پرتاپ دت کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی کہ معزول شدہ پہرہ داروں کو اودیادت وظیفہ دیتے ہیں۔ تو انہوں نے اودیادت کو بلا کر کہا ـــــــ "ہم نے پہرہ داروں کو اس لئے برطرف نہیں کیا تھا، کہ خزانے میں ان کو دینے کے لئے نقدی نہ تھی۔ پھر تم نے کیوں ان کا ماہانہ مقرر کیا ہے؟"

ادیادت نے آہستہ آہستہ کہا "قصور کوئی کرے اور اس کی سزا کسی اور کو ملے۔ اس بات کو میں نے گوارا نہ کیا ــــــ قصور میں نے کیا تھا۔ ان دونوں کو سزا ملے در اصل آپ نے مجھے سزا دی ہے۔ اس لئے میں اپنے خیال کے مطابق ہر ماہ ان کو جرمانہ ادا کر دیا کرتا ہوں ــــــ"

اس سے پہلے پرتاپ دت نے ادیادت کی باتیں کبھی غور سے نہ سُنی تھیں۔ لیکن آج اس قدر دلیرانہ اور پُر حوصلہ گفتگو سُن کر دنگ رہ گئے۔ اور اس بات کو بُری طرح محسوس بھی کیا۔ لیکن ادیادت کی بات کا کوئی جواب نہ دے کر پرتاپ دت نے کہا۔
ــــــ "ادوے! ہم حکم دیتے ہیں کہ آئندہ یہ ماہانہ بند کر دیا جائے۔"

ادیادت۔ "آخر میں نے کونسا قصور کیا ہے۔ جس کی مجھے اس قدر سزا دی جا رہی ہے.... میں یہ کیسے دیکھ سکتا ہوں کہ میری وجہ سے آٹھ دس آدمی بھوکے مریں۔ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لئے ترسیں.... بے یار و مددگار دنیا کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ آپ کی مہربانی سے میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن کھانا کھاتے وقت دس بھوکوں کو میرے سامنے بٹھا دیا جائے۔ اور ان کو کھانے کے لئے کچھ نہ دیا جائے۔ تو وہ کھانا میرے لئے زہر ہوگا...."

جوش میں آکر ادیادت نے جو کچھ کہا۔ پرتاپ دت نے اس میں رُکاوٹ نہ ڈالی۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ لیکن جب ادیادت سب کچھ کہہ چکے۔ تو انہوں نے نرمی سے کہا ــــــ "تمہیں جو کچھ کہنا تھا۔ وہ سب ہم نے سُن لیا ہے۔ اب جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ کان کھول کر سُن لو ــــــ پہرہ داروں کو تنخواہ دینا بند کر دو۔ اگر کوئی ان کو دے گا۔ تو ہماری مرضی کے خلاف کام کرنے والوں میں تصور کیا جائیگا۔ اور اس کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑے گا ــــــ"

ادیادت نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہاں سے وہ سرما کے پاس پہنچے۔ اور

سارا حال کہہ سُنایا۔ سُرما نے کہا:" یہ تو ان کے ساتھ ظلم ہوگا.... اس دن بچاروں کے گھر چولھا بھی گرم نہ ہوا۔ اور وہ دن بھر بھوکے رہے۔ شام کے وقت سیتارام کی ماں سیتارام کو ساتھ لے کر میرے پاس آئی۔ اور رونے لگی۔ سیتارام کی ایک دودھ پیتی بچی بھی ہے۔ وہ معصوم بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر کلیجہ پھٹتا تھا۔ جب میں نے انہیں کچھ دیا۔ تو ان کے چہروں پر زندگی کے آثار نظر آئے —— ان لوگوں کی اگر مدد نہ کی گئی۔ تو وہ بدنصیب کہاں جائیں گے؟ ان کی کیا حالت ہوگی؟"

اودیادت:" وہ مہاراج کے حکم سے راج دربار سے نکالے گئے ہیں۔ اس لئے مہاراج کے خوف سے کسی کو بھی ان کو سہارا دینے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ اور اس وقت اگر ہم بھی منہ پھیر لیں۔ تو اس دنیا میں ان کی کون خبر لے گا؟ اس لئے ان کی مدد تو کروں گا ہی۔ اس کا تم فکر نہ کرو۔ لیکن مہاراج کو بھی بے فائدہ ناراض کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کام پوشیدہ طور پر کرنا ہوگا ——"

سُرما نے اودیادت کا ہاتھ پکڑ کر کہا —— " آپ بے فکر رہیا۔ سب انتظام میں خود کر دوں گی۔ یہ بوجھ آپ مجھ پر رہنے دیں۔"

دراصل سُرما یہ نہیں چاہتی تھی کہ مہاراج کسی وجہ سے اودیادت پر ناراض ہوں۔ کیونکہ اودیادت کی سلامتی ہی اس کے جیون کا سہارا تھا۔ اس لئے وہ یہ کام کر کے الزام اپنے سر لینے کو تیار ہوگئی۔

---

(۱۴)

پرتاپ دت کے کانوں میں یہ خبر بھی پڑ گئی۔ کہ پہرہ داروں کی پوشیدہ

طور پر امداد کی جا رہی ہے۔ بس پر انہوں نے اور تو کچھ بھی نہ کیا۔ لیکن محل میں کہلا بھیجا کہ اب سُرما کو باپ کے گھر جانا ہی ہوگا۔ اس خبر کو سُن کر ادیادت نے اپنی چھاتی فولاد کی طرح سخت کر لی۔ اور ہر ایک بات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ونبھا کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ اس نے سرما کے گلے سے لپٹ کر کہا ـــــ "تم اگر چلی جاؤ گی، تو میں اس شمشان بھومی میں اکیلی کس طرح رہوں گی۔"

سرما نے ونبھا کی ٹھوڑی پکڑ کر اور اس کا منہ چوم کر کہا ـــــ "میں بھلا یہاں سے کیوں جانے لگی۔ جبکہ تمہارے بھیا یہاں ہیں۔"

پرتاپ دت کا یہ حکم سُن کر سُرما نے صاف کہہ دیا کہ میں باپ کے گھر جانے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتی۔ نہ تو وہاں سے مجھے کوئی لینے کے لئے آیا ہے۔ اور نہ ہی میرے مالک اس بات کے لئے راضی ہیں۔ اس لئے بغیر کسی وجہ کے یونہی میکے جانا مناسب نہیں سمجھتی۔

پرتاپ دت یہ جواب سُن کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن جب انہوں نے اس بات پر غور کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے، کہ کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں ہے، جس سے سرما کو زبردستی باپ کے گھر بھیجا جا سکے۔ کیونکہ کوئی بھی اس کو اس کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ انہوں نے لاکھ سر پٹکا۔ دماغ پر زور دیا۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو مہارانی کو بلا کر کہا ـــــ سُرما کو میکے بھیج دو ـــــ"

رانی نے جواب دیا۔ "سرما کو شری پور بھیجنے پر ادیادت کی کیا حالت ہوگی۔"

پرتاپ دت۔ "اودے اب بچہ نہیں ہے۔ ہم راج کاج کی بھلائی کے لئے سرما کو کچھ دنوں کے لئے راج محل سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے۔"

یہ بات مہارانی کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ کہ سرما کے چلے جانے سے راج کاج میں بہتری ہو سکتی ہے۔ اس نے ادیادت سے کہا ـــــ

"بیٹا! بہو کو کچھ دنوں کے لئے میکے بھیج دو۔"

اویادت :" ماں! یہ کیوں! اس نے کیا قصور کیا ہے......؟"

رانی :-" بیٹا! یہ ہمیں کیا معلوم - ہمیں تو سمجھ نہیں آتی کہ سرما کو باپ کے گھر بھیج دینے سے مہاراج کو راج کاج میں کیا فائدہ ہوگا۔"

اویادت :-" اس بے چاری نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔ جس کی وجہ سے تم پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو۔ اور میں حیران ہوں کہ نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کا کیا فائدہ ہوتا ہوگا۔ ہمارے لئے تو ہر طرف دُکھ ہی دُکھ ہے۔ شاید پرماتما نے ہمارے لئے سُکھ بنایا ہی نہیں۔ پھر سرما کی جو درگت ہوتی ہے۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جھڑکیاں سہتی ہے طعنے برداشت کرتی ہے۔ سب کچھ خاموشی سے سنتی ہے۔ اور سہے جاتی ہے۔ بے چاری آہ تک بھی نہیں کرتی ——— اتنے بڑے محل میں اب اس کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔ جیسے اس کا کچھ واسطہ ہی نہیں ——— وہ بھکارن تو نہیں کہ جب تم چاہو گے۔ یہاں رہنے دو گے۔ اور جب دل اُکتا جائے گا۔ نکال دو گے ——— جب اس کے لئے اب جگہ نہیں رہی۔ تو میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھے بھی اجازت دیجئے۔ جہاں وہ جائے گی۔ میں بھی چلا جاؤں گا۔"

اویادت کی باتیں سُن کر مہارانی نے رونا شروع کر دیا۔ جب وہ دل کی بھڑاس نکال چکے تو بولی ———

"نہ معلوم مہاراج چاہتے کیا ہیں۔ ان کا مطلب ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا ——— لیکن اتنا میں ضرور کہوں گی، کہ ہماری بہو بھی کچھ اچھی نہیں ہے۔ جب سے وہ یہاں آئی ہے۔ کسی کو بھی سُکھ چین نصیب نہیں ہوا۔ گھر کا آرام و سکون برباد ہوگیا ہے۔ تم نے تو ہم کچھ کہتے بھی نہیں ——— وہ اگر چند دنوں کے لئے چلی جائے گی، تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ پھر بعد میں دیکھا جائے گا ——— اس کے جانے کے بعد تم

دیکھو گے۔ گھر کی فضا خوشگوار ہو جائے گی۔ اور ساری رونق پھر پلٹ کر آ جائے گی؟

ادیادت نے اس کا کچھ بھی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ رانی کی آنکھیں ابھی تک اشک آلود تھیں۔ وہ بھی اسی حالت میں مہاراج کے پاس چلی گئی۔ اور کہا ——— "مہاراج! معاف کیجئے۔ ادیے سرما کو بھیجنے پر رضامند نہیں ——— لیکن اس میں میرے بچے کا قصور بھی نہیں۔ نہ معلوم اس ڈائن نے کیسا جادو کر دیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس پر پرتاپ دت ناراض ہو کر بولے۔

"سرما نہ جائے گی، تو ہم ادیادت کو قید خانہ میں رکھیں گے ———"

وہاں سے لوٹ کر مہارانی، سرما کے پاس پہنچی۔ اور جاتے ہی اس پر برس پڑی۔

——— "ڈائن! اب کسی کو سکھ کی سانس بھی لینے دے گی یا نہیں۔ نہ معلوم میرے بچے پر کون سا جادو کر دیا ہے ——— وہ تیرے بغیر کسی کی کچھ سنتا ہی نہیں۔ اب اپنا جنتر منتر اپنے پاس رہنے دے۔ اور میرے بیٹے کی جان بخش دے۔ اس کو بہکا بہکا کر ستیاناس ہی کر دیا ہے تو نے۔ تیری وجہ سے نہ معلوم اس کو کتنی تکالیف سہنی پڑیں گی۔ کیا اب اُسے قید کرائے بغیر نہ رہے گی؟"

سرما پہلے تو بالکل ہی خاموش رہی جیسے مہارانی کا روئے سخن کسی اور کی طرف ہے۔ لیکن جب اس نے قید کا لفظ سنا، تو وہ چونک پڑی۔ اور آہستہ سے کہا ——— "ماں! میں انہیں کیوں قید کرانے لگی؟"

مہارانی: "تو اگر باپ کے گھر نہ جائے گی، تو مہاراج اس کو قید خانہ میں رکھیں گے ———"

سرما کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور وہ روتے ہوئے بولی ———

"ماں! یہ ہرگز نہ ہوگا۔ مجھے ابھی بھیج دو ——— میں ابھی چلی جاؤں گی ———"

سُرما ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ وبھا کے پاس پہنچی۔ اور سب حال کہہ سنایا۔ وبھا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ قوتِ گویائی سلب ہو گئی۔ سرما وبھا سے لپٹ گئی۔ اور کہا ——— "پیاری وبھا! میں اب جاتی ہوں۔ اب پھر مجھے کون بلائے گا؟"

وبھا، سرما کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگی۔ سرما بھی وہیں بیٹھ گئی۔ مستقبل کا فکر ——— اپنے بھیانک جبڑے کھولے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ سر چکرانے لگا۔ چھاتی پھٹنے لگی۔ منہ خشک ہو گیا۔ جلن کے مارے آنکھوں کے آنسو سوکھ گئے۔ اس ناگہانی آفت نے اس کے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ ادیادت کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے لپک کر ان کے پاؤں پکڑ لئے۔ اس کی آنکھوں سے سیلاب جاری ہو گیا۔ ادیادت یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے سرما کا منہ اوپر اٹھا کر پیار سے پوچھا ——— "سُرما! کیا ہوا۔ میری قسم جلدی کہو۔ تمہارے آنسو میرے دل میں قیامت برپا کر رہے ہیں ———" سرما کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن دفورِ غم سے اس کی زبان اس کے خیالات کا اظہار کرنے سے عاجز تھی۔ وہ ادیادت کے منہ کی طرف دیکھتی تھی۔ اور روتی جا رہی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد بڑی مشکل سے تو تلا کر کے کہا: "پران ناتھ! اب میں آپ کا منہ نہ دیکھ سکوں گی ——— آفتاب کسی کے ارمانوں سے ہولی کھیلتا ہوا گوشۂ تاریکی میں منہ چھپانے لگا۔ آپ کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھیں گے۔ لیکن میں آپ کے پاس نہ آ سکوں گی.... گھر میں چراغ جلے گا۔ آپ دروازہ پر کھڑے ہوں گے۔ تو میں مسکراتی ہوئی آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اندر نہ لا سکوں گی ——— آپ جب یہاں سے چلے جائیں گے تو نہ معلوم میں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھروں گی۔" اتنا کہتے کہتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

---

(۱۵)

اس سے پہلے ہم رکمنی کا ذکر کر چکے ہیں۔ منگلا وہی رکمنی ہے۔ جو بھیس تبدیل کر کے پیشو ہر میں قیام پذیر ہے۔ اس نے اپنی اصلیت کو چھپانے کے لئے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا ہے۔ جب سے وہ پیشو ہر میں آئی ہے۔ اپنے تریا چرتر سے لوگوں کو گرویدہ بنا رہی ہے۔ اور اپنے جنتر منتر سے لوگوں کو اُلّو بنا رکھا ہے۔ جو کوئی بھی اس کے پاس آتا ہے۔ اس کا مقصد حیرت انگیز طریقے سے معلوم کر لیتی ہے۔ اس لئے ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس کے دل میں سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جس وقت دلی عہد ادیا دت تخت پر رونق افروز ہوں تو وہ ایک دفعہ پھر ان کے دل پر قبضہ کر کے ان پر اور پیشو ہر پر ایک ساتھ حکومت کرے۔ اور اس کی یہ خواہش دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ ہر روز مختلف قسم کے تپیہ اور عبادت کر کے اپنی شہرت بڑھا رہی ہے۔ ان تمام کوششوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح وہ اپنی خواہش پوری کرے۔ رات کو جب وہ محو خواب ہوتی ہے۔ اس وقت بھی اس کی یہ خواہش جاگتی رہتی ہے۔ دن رات کی کٹھن ریاضت کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ وہ شاہی محل کے تمام نوکروں سے راہ و رسم بڑھانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس سے یہ فائدہ ہوا کہ راج محل کے تمام حالات بے کم و کاست اس کو معلوم ہو جاتے تھے۔ سرما اس کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹک رہی تھی۔ اس لئے وہ زیادہ تر اس کے حالات جاننے کے لئے بے تاب رہا کرتی۔ نوکروں کی زبانی وہ یہ بھی معلوم کر لیتی تھی، کہ سرما کب اداس ہوئی۔ کب مسکرائی۔ اور یہ کیوں ہوا؟ مہاراج پرتاپ دت کے متعلق بھی وہ سب کچھ معلوم کر لیتی تھی۔ اس پر ہر وقت یہ دھن سوار رہتی تھی! در

ہر وقت یہی دل میں سوچتی رہتی تھی کہ اس کی راہ کے کانٹے کب اور کس طرح دور ہوں گے اور کب وہ اپنی مراد حاصل کرے گی ؟

رُکمنی نے جب سُنا کہ آج کل سُرما راجہ اور رانی دونوں کے غصے کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے - اور یہ غصہ روز بروز افزوں تر ہوتا جا رہا ہے - اور پھر اتنا ہی نہیں - بلکہ وہ سرما کو محل سے باہر نکالنے پر تلے ہوئے ہیں - تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی - وہ تصور ہی تصور میں مستقبل کے خوشگوار سپنوں سے ہمکنار ہو جاتی - اور جب یہ طلسم ٹوٹتا تو وہ دونوں ہاتھوں سے چھاتی تھام کر رہ جاتی ۔

ادھر رانی کو جب معلوم ہوا کہ شہر میں منگلا نام کی ایک بیوہ عورت آئی ہوئی ہے - اور ہر طرف اس کے جادو منتر کی دھوم مچی ہوئی ہے - اس کی جڑی بوٹیاں ہر مطلب کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں - تو اس نے سوچا کہ سرما کو یہاں سے بھیجنے سے پہلے کسی طرح سے ادیادت کو اس سے بدظن کر دینا چاہیے - تاکہ اس کے دل پر سرما کا قبضہ نہ رہے - اور سرما کی جدائی اس پر شاق نہ گذرے - یہ خیال آتے ہی اس نے اپنی ایک داسی کو اپنا مطلب سمجھا کر منگلا کے پاس بھیجا - تاکہ وہ کوئی جڑی بوٹی لے آئے ۔

منگلا کی مراد بر آئی - اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی تھی - کہ وہ خود ہی سرما کو راستے سے ہٹا کر اپنی راہ صاف کرے - اس مقصد کے لئے وہ قسم قسم کی جڑی بوٹیاں تیار کرنے لگی - خاموش اور سنسان رات میں ــــــــ شہر کے اس حصے سے جہاں منگلا کی رہائش تھی - دوائی کوٹنے کی آواز سکوت شب میں ہلچل مچا رہی تھی - اس آواز سے اس کے ارمان جاگ اُٹھے - امنگیں ناچنے لگیں - اور یہ آواز ہی صدائے جرس تھی - جو اس کو منزل تک پہنچا دے گی - شب تنہائی میں یہی آواز اس کی رفیق تھی - جو اس کے دھڑکتے ہوئے دل اور مچلتے ہوئے ارمانوں

کو سہارا دے رہی تھی۔ پلکوں سے نیند اڑ گئی۔ کھانا پینا حرام ہو گیا۔ اور اسی طرح پانچ دن بیت گئے۔ دوائی تیار ہو گئی۔ جو ایک لمحے میں سرما کا کام تمام کر دے گی۔ اگرچہ اس زہر کو تیار کرنے میں اس قدر وقت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن سرما کے بعد ولی عہد کے دل سے اس کی یاد کو محو کرنے کے لئے دوائی پر جادو ٹونے کی بھی ضرورت تھی۔ جو اس دوران میں پوری کر دی گئی تھی۔ اور اب اس بات کا ڈر نہیں تھا، کہ سرما کی یاد میں ولی عہد دیوانے ہو جائیں گے۔ یا راج پاٹ چھوڑ کر سنیاسی بن جائیں گے۔

دن کا تیسرا پہر ——— سرما کے پاس جس قدر چیزیں تھیں، وہ سب ایک ایک کر کے وبھا کو دے رہی ہے۔ کیونکہ کل سویرے پو پھٹتے ہی اسے چلے جانا ہے۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد اور طبیعت مضمحل سی نظر آتی ہے۔ طویل جدائی کے غم نے اس کو نڈھال کر دیا ہے۔ ادھر ادیادت بحر تفکرات میں غوطہ زن ہیں۔ ان کے دل کی کشتی بھی ہچکولے کھا رہی ہے۔ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ ہے کہ یا تو سرما کو یہیں اپنے پاس رکھیں گے۔ یا اس کے ساتھ ہی چلے جائیں گے۔ ان ہی خیالات میں انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سورج میدان کارزار میں آخری لمحوں پر ہے۔ جب شام ہوئی تو سرما کا جی متلانے لگا۔ ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں وہ جھٹ پلنگ پر لیٹ گئی۔ اور وبھا سے کہا ——— "وبھا ——— و ——— بھا! ——— انہیں جلد بلاؤ ..... نہ معلوم مجھے کیا ہو رہا ہے۔"

ادیادت دوڑے دوڑے آئے۔ جونہی وہ دروازے پر پہنچے۔ سرما بول اٹھی ——— "آیئے آیئے۔ میرا جی گھبرا رہا ہے" یہ کہہ کر اس نے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ اور ادیادت کو پاس آتے دیکھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ ادیادت بیٹھ گئے۔ اور دیکھا کہ سرما کی سانس رک رک کر چل رہی ہے۔ اس کا دم پھولا ہوا

ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اور اس پہ بے ہوشی طاری ہو رہی تھی! ادیادت پر بدحواسی چھا گئی۔ وہ کیا سوچ رہے تھے۔ اور یکدم کیا ہو گیا۔ انہوں نے سہمی ہوئی آواز سے پکارا ——— سرما ——— سُرما ——— سُرما ——— "سُرما نے بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ پلکیں اوپر اٹھائیں۔ اور ادیادت کے منہ کی طرف دیکھ کر نہایت ہی مدھم آواز میں کہا۔

"کیا ہے پیارے ———!"

ادیادت :" تجھے یہ کیا ہو گیا ———؟"

سُرما۔" معلوم ہوتا ہے میرا آخری وقت آ پہنچا ہے" یہ کہہ کر ادیادت کو گلے لگانے کے لئے ہاتھ اُٹھانے چاہے۔ مگر اُٹھا نہ سکی۔ وہ صرف اس کے منہ کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔

ادیادت گھبرا گئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سُرما کو ذرا اوپر اُٹھایا۔ اور کہا۔" سُرما! تم مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو۔ تم ہی نے تو مجھے سہارا دیا تھا۔ ہائے قسمت! اب تم بھی چھوڑ چلیں"

سُرما کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس نے چشم پُرنم سے دبھا کی طرف دیکھا۔ دبھا کا چہرہ مارے خوف کے سفید ہو گیا تھا۔ وہ پتھر کی طرح بُت بنی کھڑی تھی۔ اور بے سُدھ ہو کر ٹکٹکی باندھ کر سرما کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی ایک بلا سے چھٹکارا نہ ملا تھا۔ کہ دوسری بپتا آ پڑی۔ نہ معلوم ظالم آسمان کے ترکش میں ابھی کتنے تیر باقی ہیں۔

جہاں ہر روز شام کے وقت ادیادت اور سُرما بیٹھ کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ کھڑکی اب بھی کھلی ہے۔ آسمان پر طلوع ہوتے ہوئے ستارے ویسے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ ہوا ویسے ہی اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔ چاروں

طرف سکوت چھایا ہوا ہے۔ گھر میں چراغ جلائے گئے۔ محل میں گھڑیال، گھنٹے، اور سنکھ بج کر رک گئے۔ سُرما نے دھیمی آواز میں ادیادت سے کہا ——

"مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہو تو معاف کرنا ...... میں آپ کے منہ سے کچھ سُننا چاہتی ہوں۔ آہ! ...... میرا سر گھوم رہا ہے۔ آنکھوں سے اچھی طرح دکھائی بھی نہیں دیتا ......

آہستہ آہستہ راج محل میں یہ خبر پھیل گئی۔ کہ سرما نے زہر کھا لیا ہے۔ اور اب کوئی دم کی مہمان ہے۔ یہ سنتے ہی رانی دوڑی آئی۔ اور بھی سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ رانی سرما کا منہ دیکھ کر رونے لگی۔ اور کہا —— "سرما! میری رانی —— تو یہیں رہ ..... تجھے کون بھیجتا ہے ..... تو کہیں بھی نہ جا۔ تو میرے گھر کی لکشمی ہے۔"

سرما نے بے ہوشی کی حالت میں بھی ساس کے پیروں کی مٹی ماتھے پر لگائی۔ رانی پہلے سے بھی زیادہ زور سے شور کرنے لگی

"اری —— تو نے بغیر سوچے سمجھے یہ کر کیا دیا —— ہائے یہ کیا ہو گیا"

سرما کچھ بولنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا گلا رک گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں ——

ابھی رات دو گھڑی باقی تھی۔ ویدنے جواب دے دیا۔ اور سُرما کا چراغ زندگی ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ یہ سن کر ودیا سرما کے بدن سے لپٹ کر رونے لگی۔ محل ماتم کدہ بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سویرا ہو گیا۔ اور ادیادت سرما کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھے ہی رہ گئے۔

---

(۱۶)

راجہ رام چندر رائے راج دربار میں تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ اور کبھی کبھی گڑ گڑی کا ایک آدھ کش بھی لگا لیتے ہیں۔ دربار میں ایک ملازم حاضر ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ اس نے کسی ذریعے سے وہ واردات سن لی تھی۔ جو پرتاپ دت اور رام چندر رائے کے درمیان ہوئی تھی۔ اور پھر کسی محفل میں اس پر حاشیہ آرائی کی تھی۔ یہ خبر ملازم کے حاسدوں نے راجہ کے کانوں تک پہنچا دی۔ جسے سن کر راجہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اس کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اب فیصلہ یہ ہونا تھا کہ اس جرم کی سزا میں اسے پھانسی دی جائے۔ یا ملک بدر کر دیا جائے۔ اور اس وقت اس معاملے پر سوچا جا رہا تھا۔ راجہ نے پہلے تو ملازم کو مخاطب کیا۔

"کیوں بے سالے! تمہاری اتنی جرأت ...."

ملازم خوف سے کانپ رہا تھا۔ روتے ہوئے کہا ــــ دہائی مہاراج کی .... میرا کچھ بھی قصور نہیں۔"

(دیوان) "خاموش! پرتاپ دت کے ساتھ ہمارے مہاراج کی برابری کرتا ہے۔ ہونہہ! کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی۔ وزیر اعظم ــــ اس نادان کو معلوم نہیں کہ جب پرتاپ دت کا باپ گدی نشیں ہوا تھا۔ تو راج تلک کیلئے ہمارے مہاراج کے آنجہانی دادا صاحب سے کتنی بار التجا کی تھی۔ اس نے منت سماجت کرنے اور گڑگڑانے کے بعد وہ بڑی مشکل سے اس کے لئے رضامند ہوئے تھے لیکن پھر بھی بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے تلک لگایا تھا۔"

وکرم دت ــــ اب .... راجہ بھی خاموش نہ رہ سکا۔ منہ بنا کر بولا

کے چھوکرے پرتاپ دت کو راجہ ہوئے ابھی دو پشتیں ہوئی ہیں ـــــ پرتاپ دت کا دادا تو تھا کینچوا .... اور پھر کینچوے کی اولاد ہوئی جونک - رعیت کا خون چوس چوس کر جونک خوب پھول اُٹھا - اب جونک کے بیٹے پرتاپ دت نے بھی سانپ کی طرح پھنکارنا سیکھ لیا ہے .... اور پھر ہم تو نسل بہ نسل اس راج دربار میں نوکری کرتے آئے ہیں - ہم لوگ سپیرے ہیں - کیا سانپ کو بھی نہیں پہچانتے ؟

رمائی کی بات سُن کر رام چندر رائے بہت ہی خوش ہوئے - اور تمباکو کے کش لگانے لگے - آج کل ان کے دربار میں یہ ایک معمول بن گیا تھا، کہ ہر روز پرتاپ دت پر آوازے کسے جاتے - ان کو ذلیل کرنے اور اپنے سے کمتر ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی - اس طرح کچھ نہ کچھ دل بہلانے کا سامان بھی بن جاتا - لیکن جب درباریوں کے ترکش خالی ہو جاتے - اور ان کے ذہن کوئی نئی بات گھڑنے سے عاجز آ جاتے تو دربار برخاست ہو جاتا -

خیر جو کچھ بھی تھا - آج کا دن ملزم کے لئے اچھا تھا - یا یوں سمجھئے کہ ابھی اس کا دانہ پانی باقی تھا - اس کے رونے پیٹنے اور گڑگڑانے سے رام چندر رائے کے دل میں رحم پیدا ہو گیا - اور انہوں نے حکم دیا ـــــ " اچھا جاؤ ! اس دفعہ تمہیں معاف کیا جاتا ہے - آئندہ پھر ایسی حرکت نہ کرنا "

اس حکم کے ساتھ ہی دربار برخاست ہو گیا - سب درباری مہاراج کی "جے" کہہ کر چلے گئے - صرف وزیر اور رمائی راجہ کے پاس بیٹھے رہے - معلوم ہوتا تھا - ابھی یہ مذاق ختم نہ ہوا تھا - کیونکہ پھر - پرتاپ دت گفتگو کا موضوع بنے - اور سلسلہ کلام شروع ہو گیا -

رمائی نے کہا ـــــ " مہاراج ! آپ تو لیٹو ہر سے چلے آئے - مگر ولی عہد بے چارے پر مصیبت ٹوٹ پڑی ـــــ پرتاپ دت

کا مطلب تو شاید یہ تھا، کہ لڑکی بیوہ ہو جائے گی۔ تو اس کی چوڑیوں سے شاہی خزانہ میں اضافہ ہوگا۔ مگر ولی عہد نے اس میں رکاوٹ ڈالی۔ اور اس کی جان جوکھوں میں پڑ گئی۔"

اگرچہ اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہ تھی۔ پھر بھی راجہ رام چندر رائے مسکرا دئے۔
اب وزیر کی باری تھی ——— مہاراج! سُنا ہے پرتاپ دت سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔ اس کو یہ فکر دن رات کھائے جا رہا ہے، کہ کہیں آپ اس کی لڑکی کو چھوڑ نہ دیں۔"

"سچ مچ!" کہہ کر راجہ ہنس پڑے۔ انہیں ان باتوں سے ایک گونہ خوشی ہو رہی تھی۔

وزیر: "میں نے پرتاپ دت کو کہلا بھیجا ہے کہ اب وہ اپنی لڑکی کو یہاں بھیجنے کی تکلیف نہ کرے۔ ہمارے مہاراج نے ان کے گھر شادی کر کے جو غلطی کی ہے۔ وہی غنیمت سمجھے۔ اسی سے اس کی سات پشتوں کا ادھار ہوگیا ہے ......"

اب وزیر نے رمائی کو مخاطب کیا ——— "اس پر بھی وہ چاہتا ہے کہ ہمارے مہاراج اس کی لڑکی کو گھر لا کر اپنی عزت گنوائیں .... لیکن اتنا بڑا دھرم کبھی نہیں ہوسکتا۔ کہ اس کی لڑکی چندردیپ کے راج محل کی حقدار ہے۔ کیوں رمائی ٹھاکر! ٹھیک ہے نہ؟"

رمائی: "ہاں بھائی! اس میں کیا شک ہے۔ مہاراج نے کیچڑ میں پاؤں رکھے تو وہ کیچڑ کی خوش قسمتی ہے۔ لیکن اس سے کیا ہوا۔ مہاراج گھر میں داخل ہوتے وقت تو پاؤں دھو کر آئیں گے۔"

اسی طرح بے معنی اور بے وجہ باتیں ہوتی رہیں۔ اور قہقہے فضا میں گونجتے رہے پرتاپ دت اور ادیادت پر نازیبا کلمات کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ اسی طرح خیالی پلاؤ

پکتے۔ تصورات کے رنگین محل بنتے۔ دن گذرتے گئے۔ تاروں کی محفلیں آراستہ ہوتیں
اور ماند پڑ جاتیں۔ راجہ رام چندر رائے کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوتا گیا کہ ادیادت
نے محض اپنی بہن کا سہاگ بچانے کی خاطر ان کو فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ اس لئے
اس کو مطلب پرستی کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ یہ کوئی احسان نہیں ہے۔ شعلہ بجھ جانے کے بعد
راکھ کے نیچے آگ کی چھوٹی چھوٹی چنگاریاں باقی رہ جاتی ہیں۔ رام چندر رائے کے
دل میں بھی وبھا کے لئے کچھ کچھ محبت باقی تھی۔ وبھا خوبصورت ہونے کے علاوہ
خوش سیرت بھی تھی۔ اس کے انداز میں ایک دلفریب متانت تھی۔ شباب کی وادی
میں ابھی قدم رکھا تھا۔ اور ابھی تو رام چندر رائے نے وبھا سے جی کھول کر باتیں بھی نہ
کی تھیں۔ دونوں کی حسرتیں بادِ خزاں کے ایک ہی جھونکے سے مرجھا گئی تھیں۔ انہیں
کبھی کبھی خیال آ جاتا اور یشوہر کے راج محل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا —
پرتاپ دت سے انتقام لینے کے خیال سے وہ منہ پھیر کر سو رہے ہیں۔ نیند ٹوٹ گئی۔
انہوں نے کروٹ بدلی۔ اور آنکھ کھول کر دیکھا۔ وبھا اپنے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ اور
اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہے۔ چاندنی بھی وبھا کے چاند جیسے
چہرے پر غم کی گھٹائیں برستی دیکھ رہی تھی۔ اس کی نیم برہنہ چھاتی سے دل کی دھڑکن
صاف طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ننھے ننھے باریک ہونٹ ایک نئے پتے کی
طرح کانپ رہے تھے۔ جوانی کی امنگوں پر اوس پڑتی دیکھ کر اس کا دل بے قابو ہو رہا
تھا۔ دل کی آگ کو بجھانے میں اس کے آنسو ناکام ہو رہے تھے۔ بے بسی اور مایوسی کا یہ
عالم دیکھ کر رام چندر رائے کے دل میں تلطف کا ساگر امنڈ پڑا۔ انہوں نے وبھا کے
سر کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور اشکوں کے سیلاب کو اپنے دامن میں جذب کر لیا۔ حسن
کی وارفتگی دیکھ کر رام چندر رائے کے غرور اور احساسِ انتقام نے ہتھیار ڈال دئے
ان کا دل پاگل ہو اٹھا۔ وہ اس نیم شگفتہ کلی کے ہونٹوں کا رس چوسنے کے لئے

بے قرار ہو اُٹھے ۔معصوم شباب کی کشش نے انہیں بے خود بنا دیا۔ ان کے جسم میں بجلی کی رَو سرایت کر گئی ۔ دونوں طرف کی آگ ایک دوسرے میں جذب ہونے کے لئے بھڑک اُٹھی ۔ رام چندر رائے کے دل میں دبھا کے لئے بے پایاں الفت پیدا ہو گئی ۔ معاً کسی نے دروازے پر دھکا دیا ۔ جذبات سے لبریز پیمانہ گر کر چکنا چور ہو گیا ۔ دل کی دل میں رہ گئی ۔ امنگوں کا جوار بھاٹا پُر سکون ہو گیا ۔ تشنہ لب پیاس بجھانے میں ناکام رہے ۔ جوانی کی ترنگیں سر پیٹ کر رہ گئیں ۔ نگاہیں چار ہوئیں ۔ ایک دوسرے کو حسرت و مجبوری کا پیغام دیا ۔ دلوں سے سرد آہیں نکلیں ۔ اور فضا میں سما گئیں ۔ چاندنی سفید چادر پر اسی طرح کھلی ہوئی تھی ۔ مگر دل بجھ چکے تھے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ، کہ دبھا کی چاہ رام چندر رائے کے دل میں گھر کر گئی ۔ اور کئی دفعہ ان کا دل دبھا سے ملنے کے لئے بے چین ہو اُٹھتا تھا ۔ اور بعض اوقات تو وہ اس خواہش کو دبانے میں ناکام رہ کر دبھا کو بلانے کا ارادہ کر لیتے ۔ لیکن وہ اس بات سے گھبراتے تھے ، کہ رعایا قیاس آرائیاں کرے گی ۔ اہلِ دربار نا ہموار سمجھیں گے ۔ اور نہ معلوم اس کے متعلق وہ کیا کیا سوچیں گے ۔ اس لئے وہ کسی سے دبھا کو بلانے کا ذکر کرتے بھی ہچکچاتے تھے ۔

رانی اور وزیر بھی خوشامد کی تمام گردان پوری کر کے چلے گئے ۔ تو رام موہن لال ، راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی

" مہاراج ...... ! "

راجہ :۔ کیا ہے رام موہن ! "

رام موہن :۔ " حکم ہو تو خاکسار رانی کو لینے جائے ۔ "

راجہ :۔ " کیوں ..... ! "

رام موہن :۔ " مہاراج ! راج محل ان کے بغیر سونا لگتا ہے ۔ جب کبھی میں حویلی کے اندر جاتا ہوں ۔ تو اندر کی حالت دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے ۔ محل ویران سا نظر آتا ہے ۔

آپ کے محل کو خالی دیکھ کر مجھے بہت ہی دکھ ہوتا ہے۔ ہماری مالکہ لکشمی ہیں۔ وہ یہاں آ کر راج محل کی زینت بنیں گی، تو محل میں ایک چہل پہل نظر آئے گی۔ جسے دیکھکر ہماری آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں گی۔"

راجہ۔" رام موہن! تم پاگل تو نہیں ہو گئے...... میں اس کو اپنے محل میں لاؤں گا۔"

رام موہن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا:" مہاراج! اس میں رانی کا کیا قصور ہے؟"

راجہ۔" کیا کہتے ہو رام موہن! پرتاپ دت کی بیٹی کو میں اپنے گھر لاؤں گا؟"

رام موہن۔" کیوں نہ لائیں گے.... پرتاپ دت کے ساتھ اب ان کا رشتہ ہی کیا ہے۔ جب تک شادی نہ ہو۔ لڑکی پر باپ کا حق ہوتا ہے۔ لیکن جب لڑکی کے ہاتھ پیلے کر دئے جائیں۔ ماں باپ کا لڑکی پر کوئی حق نہیں رہتا۔ اب وہ آپ کی رانی ہیں.... آپ انہیں اپنا بنا چکے ہیں۔ اب آپ ان کو پاس نہ رکھیں گے، یا آپ ان کی عزت نہ کریں گے۔ تو اس میں بے عزتی آپ کی ہے...."

راجہ:" میں نے پرتاپ دت کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ یہی احسان انہیں کافی سمجھنا چاہئے۔ بھلا میں اب اس کو گھر میں لاکر رکھوں؟ اس میں ہماری زبردست توہین ہے۔"

رام موہن۔" یہ مہاراج کی بھول ہے.... توہین تو اس بات میں ہے کہ اپنی عورت کو دوسرے کے گھر چھوڑ دیا.... جب وہ آپ کی رانی ہیں۔ آپ کو ان پر ہر طرح کا حق حاصل ہے۔ تو کیا آپ یہ مناسب سمجھتے ہیں، کہ وہ اپنے اصلی مسکن سے دور غیر جگہ میں رہے؟ کیا آپ اسی میں اپنی عزت سمجھتے ہیں......؟"

راجہ:" اور اگر پرتاپ دت اپنی لڑکی کو یہاں بھیجنے پر رضامند نہ ہو تو؟"

رام موہن نے چھاتی ٹھونک کر کہا:" کیا کہا مہاراج! پرتاپ دت اگر نہ آنے

دیں ؟ اتنی مجال کس کی ہے ۔ جو نہ آنے دیں گے .... ہماری مالکہ ہماری لکشمی ہیں کس کی جرأت ہے جو اُن کو یہاں آنے سے روکے .... پرتاپ دت کتنے ہی بڑے ہوں ، مگر میں مہارانی کو ضرور لے آؤں گا ۔ یہ میرا عہد ہے .... " اتنا کہہ کر رام موہن جانے کو تیار ہوا ۔

راجہ نے جلدی سے کہا ۔ " ذرا ٹھہرو رام موہن ! اگر تم دبھا کو لینے کے لئے جاتے ہو ، تو جاؤ ۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہ ہونے پائے ...... یہ بات رانی یا وزیر کے کانوں تک بھی نہ پہنچے ۔"

رام موہن ۔ " جو حکم مہاراج ! " یہ کہہ کر رام موہن چلا گیا ۔

دبھا کے راج محل میں پہنچتے ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی ۔ اور ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہو جائے گا ۔ مگر ابھی اس میں کچھ دیر ہے ۔ ان کے آنے پر جو ہوگا ۔ دیکھا جائے گا ۔ لیکن اگر ابھی لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رام موہن دبھا کو لینے کے لئے گیا ہوا ہے ۔ تو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے رام چندر رائے کو خفگی برداشت کرنی پڑے گی ۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے رام موہن کو اس بات کی تاکید کر دی ، کہ ابھی یہ بات کسی کو معلوم نہ ہونے پائے ۔

---

(۱۷)

سیتا رام کچھ تو ویسے ہی رنگیلے مزاج کا آدمی تھا ۔ پھر فکر فردا سے بے نیاز ! کیونکہ فاقہ مست تھا ۔ آمدنی پیسے دھیلے کی بھی نہ تھی ۔ اور نہ ہی بیوی بچوں کا پھندا اس کے گلے میں پڑا تھا ۔ پھر اس تنگدستی میں بھی عشق کا بھوت سر پر سوار تھا ۔ رُکمنی خوبصورت

بھی تھی۔ اور اس کے پاس روپے پیسے کی بھی کمی نہ تھی۔ سیتارام نے دل کی آگ، اور پیٹ کی آگ کو ایک ہی وقت میں بجھانے کے لئے رکمنی سے آنکھ لڑائی شروع کی۔ جس دن بھی گھر میں چولہا گرم ہوتا نظر نہ آتا، وہ فوراً ہی رکمنی کے درِ دولت پر پہنچ جاتا۔ حسن کے حضور میں سجدہ بجا لاتا۔ اور کچھ خوشامد اور چاپلوسی کر کے مٹھی گرم کر ہی لیتا۔ جس دن بھی لوگ دیکھتے کہ سیتارام کے چہرے پر حزن و ملال یا بھوک پیاس کے آثار تک نظر نہیں آتے۔ اور وہ ہاتھ میں چھڑی لئے باریک چادر کے پھوہرے اڑاتا ہوا منگلا (رکمنی) کے گھر کی طرف جا رہا ہے۔ تو وہ سمجھ جاتے کہ اس کے گھر میں آج کھانے پینے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ راستے میں اگر کوئی آشنا مذاق اڑانے کے لئے پوچھتا ——— "کیوں جی سیتارام! گھر بار کا کیا حال ہے؟ ——— آج کل کیسے گذرتی ہے؟" تو سیتارام جھٹ خندہ پیشانی سے جواب دیتا ——— "بھائی! بڑے مزے سے گذرتی ہے۔ روز حلوہ پوری اڑتی ہے۔ اور ابھی کل ہی تو ہمارے ہاں ضیافت تھی۔" سیتارام کی یہ ڈینگیں سن کر پوچھنے والا دل ہی دل ہنستا اور خاموش رہ جاتا تھا۔

سیتارام جس قدر کھوکھلا اور کمزور ہوتا جاتا تھا۔ اس کی باتوں کی لمبائی چوڑائی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ایک تو مفلسی دوسرے عاشقی۔ بھلا یہ میل کس طرح موزوں تھا۔ سچ کہتے ہیں کہ:۔ مفلس کو خدا عشق کے پھندے میں نہ ڈالے ——— لیکن وہ کچھ چالبازی سے کچھ کوشش کر کے اپنی حالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش بھی کیا کرتا۔ آج بھی اس کا ہاتھ بالکل خالی ہے۔ اور اسے روپوں کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے بارگاہِ حسن میں حاضر ہو کر ایک نگاہِ کرم کا ملتجی ہے۔ اس نے مسکرا کر ایک بار محبت بھری نگاہوں سے رکمنی کی طرف دیکھا۔ پھر میٹھی آواز میں کہا ———

"رانی بھیک دو گی کیا!"

اتنا کہہ کر ایک گیت سنانا شروع کر دیا جس کا مطلب کچھ اس طرح تھا:-
"مجھے سونا چاندی نہیں چاہیئے۔ اگر روح مل جائے۔ تو زندہ ہو جاؤں۔ یا پھر عزت کی بھیک مانگوں ......" لیکن وہ یکایک رُک گیا۔ اور کہا ——— "نہیں! یہ گیت موقعہ کے مطابق نہیں ...... عزت کی ابھی مجھے اتنی ضرورت نہیں۔ جب ضرورت ہو گی، دیکھا جائے گا۔ ابھی تو مجھے کچھ روپیہ چاہیئے۔ جس سے کچھ کام بھی بنے"

رکمنی نے سیتارام سے بھی زیادہ اشتیاق اور محبت ظاہر کر کے کہا ———
"تمہیں جو کچھ ضرورت ہو گا۔ وہی دوں گی .... جیسے پران دے دے دے۔ اسے دھن دیدینا کون سی بڑی بات ہے ——— تم جو کچھ مانگو گے، وہی مل جائے گا"

سیتارام نے اس کے پریم سے متاثر ہو کر اور ہنس کر کہا ——— "میں تم پر ہر حالت میں پورا بھروسہ رکھتا ہوں .... لیکن تمہیں کیا پڑی ہے کہ تم کسی کا خیال رکھو۔ تم میرے دل میں رہتی ہو۔ لیکن میرے دل کا حال نہیں جانتی ہو ...... دراصل بات یہ ہے کہ میری جو کچھ پونجی ہے وہ میری ماں کے پاس رہتی ہے۔ میں اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتا۔ آج سویرے میری ماں جوڑا گھاٹ میں اپنے ناندر کے گھر گئی ہے۔ جاتے وقت روپے دینے کا خیال نہیں آیا۔ اب ضرورت کچھ ایسی آپڑی ہے جس کے لئے کچھ روپیہ درکار ہے۔ میں کل ہی تمہیں واپس کر دوں گا"

منگلا (رکمنی) دل ہی دل میں مسکرا دی۔ اور پریم سے کہنے لگی ——— "تمہیں اس قدر بیتاب روپیہ واپس کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ جب آسانی ہو۔ دے دینا .... تمہارے ہاتھ میں روپیہ دینا پانی میں پھینکنا تو ہے نہیں"

منگلا کا اس قدر غیر معمولی پریم دیکھ کر سیتارام کا دل خوشی سے ناچ اُٹھا۔ لیکن اس خوشی کو ظاہر نہ کرتے ہوئے منگلا کو رجھانے لگا۔ اس نے منگلا کے پاس کھسک کر بڑی محبت سے کہا "تم میری سیمنتا ہو۔ میں تیرا جگن ناتھ ہوں"

منگلا " چلو ہٹو! سبھدرا تو جگن ناتھ کی بہن ..... "

سیتارام "یہ تم کیا کہتی ہو۔ وہ ان کی بہن تھی۔ تو سبھدرا ہرن کیسے ہوا "

منگلا مسکرانے لگی۔

سیتارام نے پھر کہا۔" ہنستی کیوں ہو ——— میں اس طرح نہ مانوں گا۔ میرے سوال کا جواب دو۔ سبھدرا اگر بہن ہی تھی، تو سبھدرا ہرن کیسے ہوا؟ "

سیتارام کو یقین ہو گیا کہ اس نے ایسا مشکل سوال کیا ہے جس کا جواب دینا آسان نہیں۔ لیکن منگلا نے ترنم ریز لہجہ میں کہا

" دھت بے وقوف! تم تو نرے ..... وہ ہو۔"

سیتارام کا دل موم کی طرح پگھل گیا۔ اس نے جواب دیا ——" میں بے وقوف تو ہوں ہی ——— اور پھر تمہارے نزدیک تو ہمیشہ بے وقوف بنا رہوں گا۔ واقعی میں ہار مانتا ہوں " اتنا کہہ کر اس نے دل میں سوچا ۔" کیا خوب جواب ہے۔ بات بڑے پتے کی کہی ہے " اس فخر سے اس کی گردن تن گئی ۔ اور اس نے پھر کہا ———

" اچھا! اگر وہ بات تمہیں پسند نہیں ۔ تو نہ سہی۔ تم خود ہی بتاؤ۔ کیا کہہ کر پکارنے سے تم خوش ہو گی؟ "

اس پر منگلا مسکرا دی ۔ اور کچھ دیر " پیارے پیاری " کی گردان ہوتی رہی۔ مگر اس کے بعد سیتارام نے ایک اور سوال پوچھا ——— " اچھا پیاری! تم جو روپیہ دو گی ۔ اس کا سود کیا لو گی؟ "

منگلا ذرا گردن ٹیڑھی کر کے غصہ سے بولی ۔" جاؤ جاؤ ۔ سمجھ گئی تمہاری محبت کو۔ اسی محبت کے بل بوتے پر سود کی شرح پوچھتے ہو۔"

سیتارام نے خوشی سے پھول کر کہا ۔" بس اتنی سی بات پر برا مان گئیں ۔ میں نے تو ذرا مذاق کیا ۔ اور تم سچ جان گئیں ۔ واہ پیاری! تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں۔"

سیتارام کی ماں کو نہ معلوم داماد کے گھر روزانہ جانے کی بیماری کیوں ہوگئی۔ اور پھر اس کا حافظہ اس قدر کمزور ہوگیا ہے کہ وہ جاتے وقت نہ تو سیتارام کو روپیہ دے جاتی ہے اور نہ ہی باہر نکال کر رکھ جاتی ہے۔ اس لئے سیتارام کو ضرورت سے مجبور ہوکر اکثر منگلا کے ہاں آنا پڑتا ہے۔ اور پھر بہت دیر تک اندر ہی اندر خفیہ طور پر کوئی کھچڑی پکتی رہتی ہے۔ آخر کافی دنوں کے صلاح مشورہ اور سوچ بچار کے بعد سیتارام نے جواب دے دیا۔

مجھے نہ تو اس قدر مکروفریب آتے ہیں۔ اور نہ ہی میں اس قدر چالاک ہوں۔ اس لئے اس کام میں بھاگوت سے مدد لئے بغیر کام نہ بنے گا۔"

شام کا وقت ـــــــــ گھٹائیں مچل رہی تھیں، بادلوں کی یلغار نے کرہ ہوائی میں تلاطم مچا دیا۔ پانی خوب برس رہا تھا۔ تندوتیز ہوا کے جھونکے قیامت کا سماں باندھ رہے تھے۔ کواڑوں کے کھلنے اور بند ہونے سے ایک بھیانک شور پیدا ہو رہا تھا۔ تناور درختوں کی شاخیں جھک کر زمین پر آگئی تھیں۔ اور کئی درخت ٹوٹ کر نیچے گر گئے تھے۔ باڑے کے وقت جو حالت ایک چھوٹے گاؤں کی ہوا کرتی ہے۔ اس جھڑی میں وہی حالت بادلوں کی ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر بجلی کے چمکنے، بادلوں کے مچلنے اور گرجنے سے دل دہل جاتا تھا۔ یہی وقت ہوتا ہے۔ جب ایک برہن کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ اور وہ چھاتی تھام کر رہ جاتی ہے۔ جوانیاں مدہوش ہو جاتی ہیں۔ امنگیں بیدار ہو اٹھتی ہیں۔ اور ترنگیں ناچنے لگتی ہیں۔

ادیادت اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ آج وہ اس تنہائی کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ ہوا کی "سائیں سائیں" اور کواڑوں کی "پھٹ پھٹ" کی آواز سے دل دہل رہا تھا۔ ان پر ایک عجیب قسم کی محویت سا عالم طاری تھا۔ اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ ہمہ تن گوش

ہو گئے۔ پاؤں کی چاپ صاف طور پر سنائی دینے لگی۔ ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یکایک ان کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور کمرہ چراغ کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ ادیادت چونک پڑے۔

"کون.... سُرما! نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں۔"

ہاتھ میں چراغ لئے ایک عورت کو کمرے میں گھستا دیکھ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور بولے "سُرما!" لیکن جب آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا سُرما تو نہیں ہے۔ عورت نے چراغ ایک طرف رکھ کر کہا ــــــ

"کیوں پیارے! مجھے اس قدر جلد بھول گئے.... کیا اب کبھی خواب میں بھی میری یاد نہیں آتی؟"

یہ الفاظ سُن کر ادیادت کو ایسا معلوم ہوا۔ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے بجلی گر پڑی ہو۔ ان کی مدہوشی دور ہو گئی۔ عورت کو اچھی طرح دیکھا۔ اتنے میں چھوٹی بچی جاگ اٹھی اور "کاکا۔ کاکا" کہہ کر رونے لگی۔ ادیادت اس کو بچھونے پر لٹا کر سوچنے لگے۔ یہ عورت کون ہے۔ یہاں کیسے آئی؟ کیا چاہتی ہے۔ میں اس کے سوال کا کیا جواب دوں؟ یہاں سے بھاگ کر کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ ان خیالات کی کشمکش سے ان کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ وہ ابھی سوچ رہے تھے۔ کہ وہ عورت ان کے نزدیک آئی۔ اور سر ہلا کر پیار سے کہا ــــــ "حیران کیوں ہو گئے؟ کیا اب بھی مجھے نہیں پہچانا؟..... اگر ایسا ہی کرنا تھا تو اس دن...... مجھے طرح طرح کے سبز باغ کیوں دکھائے تھے۔ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان پر کیوں چڑھا دیا تھا....."

ادیادت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔

دکھنی نے اب اپنا آخری ہتھیار نکالا۔ جس کا مقابلہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہہ نکلی۔ اور اس نے

روتے ہوئے کہا ـــــــــــــ میں نے ایسا کون سا قصور کیا ہے۔ جس کی یہ مجھے سزا دے رہے ہو؟ مجھے برباد کر کے کیوں آنکھیں پھیر لیں؟ جس دوشیزہ نے اپنا تن من سب کچھ تمہاری نذر کر دیا تھا۔ اور سوچا تھا کہ وہ ولی عہد کی داسی بن کر رہے گی، آج گلی گلی بھٹکتی خاک چھانتی پھرتی ہے۔ اس پھوٹی قسمت میں شاید یہی کچھ تھا ـــــــ وہ وقت بھی تھا۔ جب میرے حسن و شباب کی شراب سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اور جب میرے لئے اب کوئی ٹھکانہ باقی نہ رہا۔ تو تمہاری آنکھوں میں خار کی مانند کھٹکنے لگی.....''

ثریا پر یہ اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس سے ادیا دت کو ایک ہلکی سی چوٹ لگی۔ جس سے ان کے دل میں ایک تڑپ سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا واقعی انہوں نے اس کا سب کچھ برباد کر دیا ہے؟ ان پر جو بیت چکی تھی، وہ سب بھول گئے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر اور مچلتے ہوئے بے چین دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رکمنی نے اپنے حُسن کا جو سُنہرا جال ان کی راہ میں بچھایا تھا۔ قدم قدم پر فتنے برپا کئے تھے۔ جو بھولے بھالے معصوم پرندے کو پھانسنے کے لئے ہر روز اپنے رنگ روپ کا نئے انداز میں دانہ پھینکتی رہی۔ اپنی آرزوؤں کی کیاری کو سیراب کرنے کیلئے طرح طرح کے تبسم کئے۔ حُسن دعوتِ نظارہ دے۔ اور نکھرا شباب منہ پھیرلے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ جذبات کے بھنور میں پھنس کر ادیادت کا دل ہچکولے کھاتا ہوا نفس کی لہروں کی نذر ہو گیا۔ اور جب اسے ہوش آیا، تو معلوم ہوا کہ وہ نہ کی تہ یک کھائی میں گر چکا ہے۔ یہ سب باتیں تو ان کے آئینۂ دل سے عکس کی طرح غائب ہو گئی تھیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ میلے کچیلے پھٹے ہوئے لباس میں رکمنی کا بُرا حال ہے۔ تو ان کے دل میں رحم کی گھٹا امنڈ آئی۔ اور انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟''

رکمنی نے جواب دیا: "صرف پریم! میں تمہاری محبت کے نشے میں سرشار رہنا چاہتی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔۔۔۔ میں اس کھڑکی میں بیٹھ کر کانوں میں پریم رس ٹپکانا چاہتی ہوں۔ اور تمہاری چھاتی پر سر رکھ کر پریم کے جھولے میں جھولنا چاہتی ہوں ــــــ مجھے سہاگ چاہیئے۔۔۔۔ لیکن تم گھبراتے کیوں ہو؟ میں سرما سے کچھ کم خوبصورت ہوں؟ اگر میرا منہ کچھ کالا ہوگیا ہے۔ تو وہ صرف تمہارے لئے بھٹکتے پھرنے سے ہوگیا ہے" اتنا کہہ کر وہ ادیاوت کے پلنگ پر بیٹھنے لگی۔

ادیاوت اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ لاسکے۔ وہ جلد بول اُٹھے ــــــ

"اوں ہوں۔ اس بستر پر مت بیٹھنا۔"

رُکمنی زہریلی ناگن کی طرح سر اُٹھا کر بولی۔ "کیوں نہ بیٹھوں؟"

ادیاوت اس کے آگے کھڑے ہوگئے۔ اور راستہ روک کر کہا ــــــ نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ تم اس پلنگ کے نزدیک نہ آؤ۔ اگر تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ تو کہو۔ میں ابھی دے دیتا ہوں۔"

رُکمنی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اچھا تو اپنی انگوٹھی مجھے دے دو۔"

ادیاوت نے فوراً انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ رُکمنی نے وہ انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی۔ اور کمرے سے باہر آگئی۔ وہ سوچنے لگی کہ ابھی تک میرا منتر کارگر نہیں ہوا۔ اچھا کوئی بات نہیں۔ کچھ دن اور ٹھہر کر میری خواہشات ضرور بار آور ہوں گی۔

رُکمنی کے چلے جانے کے بعد ادیاوت بستر پر لیٹ گئے۔ تکئے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگے۔ اور روتے ہوئے بولے۔ "ہائے سُرما! تو کہاں چلی گئی۔۔۔۔ آج میرے بھڑکتے ہوئے کلیجے کی آگ کون بجھائے۔"

طوفان کا زور کچھ مدھم پڑ گیا تھا۔

---

(۱۸)

بھاگوت کی تنگدستی اس کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ وہ کئی روز سے چپ چاپ بیٹھ کر تمبا کو پھونکتا رہتا ہے۔ اور جب وہ اپنے خیالات کی بے پایاں گہرائی میں ڈوب کر زور سے کش لگاتا ہے۔ تو اس کے پڑوسیوں کے دل میں بھی ایک عجیب قسم کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خوف کی وجہ محض یہ ہے کہ جس طرح وہ منہ سے سیاہ دھوئیں کے حلقے نکالتا ہے۔ اسی طرح اس کے دل میں بھی کوئی دھوئیں جیسا سیاہ بیڑھا چکر پرورش نہ پا رہا ہو۔ لیکن پھر بھی بھاگوت ہے بڑا دھرماتما۔ ہر وقت ہاتھ میں مالا لئے ہری نام کا سمرن کرتا رہتا ہے۔ اگر اس میں کچھ نقص ہے، تو صرف یہی کہ وہ کسی سے زیادہ میل جول رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ کسی سے بات چیت نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اسے دوسروں کے ذکر سے کچھ لطف ملتا ہے۔ لیکن جب کسی پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے۔ تو بھاگوت جیسی صلاح کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اس نے کبھی کسی کی بُرائی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اگر کوئی اس کے ساتھ بُرائی کرتا تو وہ کم از کم جیتے جی اس کو نہیں بھولتا تھا۔ اور اس سے انتقام لے کر ہی چھوڑتا تھا۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جن لوگوں کا شمار اچھے اور نیک آدمیوں میں کیا جاتا ہے۔ بھاگوت بھی ان میں سے ایک تھا۔ ٹولے محلے کے لوگ بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اس تنگدستی میں بھاگوت نے کچھ قرض بھی لیا تھا۔ لیکن اپنا لوٹا تھالی بیچ کر چکا دیا تھا۔

ایک دن سیتارام، بھاگوت کے پاس آیا اور پوچھا ——— "کہو بھائی! کیسے ہو؟"

بھاگوت :- "کیا بتاؤں - دن پورے ہو رہے ہیں ۔"
سیتارام :- "یار کچھ تو کہو بھی ....."
بھاگوت نے کچھ دیر تمباکو پینے کے بعد حقہ سیتارام کے ہاتھ میں دے دیا۔
اور کہا۔ "بھائی! یہاں تو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں ۔ بڑی مشکل سے گذارہ
ہوتا ہے ۔"

سیتارام :- "کیا سچ مچ - بھلا یہ نوبت کس طرح پہنچی ؟"
بھاگوت نے ناراض ہو کر جواب دیا۔ "یہ حالت کس طرح ہوئی ؟ یہ کیا تم سے
پوشیدہ ہے ..... میں تو سمجھتا ہوں، کہ جو حالت میری ہے - وہی تمہاری بھی ہوگی ۔"
سیتارام نے کچھ رک کر کہا - "پھر تم کچھ قرض کیوں نہیں لے لیتے ۔"
بھاگوت :- "قرض تو لے لوں ۔ مگر چکائے گا کون ؟ میرے پاس تو کوئی بھی
ایسی چیز نہیں ۔ جو گروی رکھی جائے ۔ یا بیچی جائے ۔"
سیتارام نے بڑے گھمنڈ سے کہا۔ "تمہیں کتنے روپے کی ضرورت ہے ؟
میں دوں گا ۔"

بھاگوت :- "واہ! اگر تمہارے پاس اتنے روپے ہیں کہ مٹھی بھر پانی میں
پھینک دینے سے بھی تمہیں کوئی پرواہ نہیں، تو دس روپے مجھ ابھی دے دو ---
لیکن یہ میں پہلے ہی بتائے دیتا ہوں، کہ مجھ میں قرض چکانے کی طاقت نہیں ہے ۔"
سیتارام :- "اس کے لئے تم فکر نہ کرو ۔"
بعض اوقات کسی مطلوبہ چیز کے اچانک مل جانے سے انسان خوشی سے پاگل
ہو جاتا ہے ۔ لیکن سیتارام سے اس طرح مدد ملنے کی بات سن کر بھاگوت کو کوئی
خاص خوشی نہ ہوئی ۔ اس نے پھر چلم بھری - اور کش لگانے لگا۔
سیتارام نے آہستہ سے کہا۔ "بھائی! راجہ کی بے انصافی سے ہم تو تنگ آ

کی ردی ماری گئی۔"

بھاگوت: "لیکن تمہارے چہرے سے تو ایسا معلوم نہیں ہوتا۔"

سیتارام کی وہ فراخ دلی بھاگوت کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ دل ہی دل میں کچھ چڑھ سا گیا تھا۔

سیتارام: "نہیں ایسا نہیں ہے۔ آج نہیں، تو دس روز تک پیٹ بھرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔"

بھاگوت: "راجہ اگر بے انصافی کرے، تو ہم لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

سیتارام: "آہ! ولی عہد جب راجہ ہوں گے تو ایشوری داس رام راج ہوگا! بھگوان اس وقت تک ہم لوگوں کو زندہ رکھے۔"

بھاگوت نے چڑھ کر کہا۔ "بھائی! ہمیں ان باتوں سے کیا مطلب۔ تم بڑے آدمی ٹھہرے۔ تم گھر میں بیٹھ کر راجہ اور وزیر کی پنچایت کر سکتے ہو۔ میں تو غریب آدمی ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری برابری کر سکوں۔"

سیتارام: "غصہ کیوں کرتے ہو۔ پہلے میری باتیں تو سُن لو۔" یہ کہہ کر سیتارام نے چپکے سے بھاگوت کے کان میں کچھ کہا۔ جس سے بھاگوت کا غصہ اور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور اس نے کہا ——— "دیکھو سیتارام! کان کھول کر سُن لو۔ میرے سامنے پھر ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔" بھاگوت کی یہ جھڑک سُن کر سیتارام اسی وقت وہاں سے چلا آیا۔

اس دن بھاگوت اپنے خیالات میں مستغرق نہ معلوم کیا سوچتا رہا۔ دوسرے دن وہ خود سیتارام کے پاس گیا اور کہا ———

"سیتارام! کل جو بات تم نے کہی تھی، وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

سیتارام غرور سے تن گیا۔ اور جواب دیا۔ "بھائی۔ تم سے ٹھیک نہ کہوں گا۔

تو اور کس سے کہوں گا۔"

بھاگوت :۔ "آج اسی کے متعلق صلاح مشورہ کرنے آیا ہوں۔"

سیتارام گھمنڈ سے اور بھی پھول اُٹھا۔ کئی دن آپس میں صلاح مشورہ ہوتا رہا۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ایک جعلی دستاویز تیار کر کے شاہِ دہلی کو بھیجی جائے۔ جس میں پرتاپ دت پر بغاوت کا الزام لگا کر ولی عہد کی طرف سے راج حاصل کرنے کی التجا کی جائے۔ اس دستاویز پر ولی عہد کی مہر لگائی جائے۔ یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے۔ کہ رُکمنی جو انگوٹھی لے گئی تھی۔ اس پر ولی عہد کا نام کُھدا ہوا تھا۔

اس تجویز کے مطابق ایک جعلی دستاویز تیار کی گئی۔ اور اس پر ولی عہد کی مہر ثبت کر دی گئی۔ بے وقوف سیتارام کو یہ کام سونپنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ بھاگوت ہی یہ دستاویز شاہِ دہلی کے پاس لے جائے۔

بھاگوت وہ دستاویز لے کر مہاراج پرتاپ دت کے پاس پہنچا۔ اور عرض کی:۔ "مہاراج! ولی عہد کا ایک نوکر یہ درخواست لے کر دہلی جا رہا تھا۔ اتفاقاً مجھے مل گیا۔ اور میں نے طریقے سے اس کا مدعا معلوم کر لیا۔ جب اس نے دستاویز کا ذکر کیا۔ تو میں نے اس سے زبردستی چھین لی۔ وہ تو اسی وقت ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور میں یہ درخواست آپ کے پاس لے آیا ہوں۔"

بھاگوت نے سیتارام کا بالکل ذکر تک نہ کیا۔ درخواست پڑھ کر پرتاپ دت کی جو حالت ہوئی، وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بھاگوت پھر اپنے کام پر بحال ہو گیا۔

---

(۱۹)

وبھا کی دنیا پر غم کی تاریک گھٹائیں چھا گئیں۔ اس کی مسرتوں پر دُکھ درد کے سائے پڑ گئے۔ مستقبل کا کوئی دل شگاف دُکھ اس کے جیون کو گھن کی طرح چاٹنے لگا۔ ہجوم یاس نے اس کو نڈھال کر دیا ہے۔ اس کے گلشن شباب کو بادِ خزاں نے مرجھا دیا ہے۔ اس کے عارض گلگوں پر زردی چھا گئی۔ دلچسپیوں کے سرچشمے بند ہو گئے۔ وہ زندگی سے اس قدر عاجز آ گئی کہ اب صرف گوشۂ تنہائی پر قناعت ہونے لگی اور اس تنہائی میں بستر ہی اس کا مونس ہے۔ دل پر ہر وقت فکر و تردد کا غلبہ رہتا ہے۔

انہی دنوں ——— ایک دن سویرے رام موہن نے آ کر اور " مہارانی جی کی جے ہو " کہہ کر وبھا کو پرنام کیا۔ وبھا کا دل اس طرح ناچ اُٹھا۔ جیسے اس کے دل میں مسرتوں کے بادل برس پڑے ہوں۔ فرطِ مسرت سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ حیران ہو کر بولی۔

" موہن! تم آ گئے ؟ "

رام موہن:- " جی سرکار! آپ تو اس سیوک کو بھول گئیں۔ میں نے سوچا کہ ایک بار اپنی یاد دلا آؤں "

وبھا کے دل میں ایک ہی وقت میں کئی سوالات پیدا ہو گئے۔ اور وہ ایک ایک کر کے رام موہن سے پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر شرم و حیا نے لبوں پر مہر سکوت لگا دی۔ الفاظ ہونٹوں پر آ آ کر رُک جاتے تھے۔ اس نے انتہائی ضبط اور کوشش سے کام لیا لیکن وہ ایک بات بھی زبان پر نہ لا سکی۔ چندر دیپ کا حال سننے کے لئے اس کا دل بے قرار ہو اُٹھا۔

رام موہن ودبھا کے منہ کی طرف دیکھ کر اس کی اندرونی کشمکش کو تاڑ گیا۔ اور کہا۔" ماں! تم اداس کیوں ہو؟ .... تمہاری آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے کیوں پڑ گئے ہیں؟ چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نہیں۔ سر کے بال سوکھے الجھے ہوئے ہیں۔ ماں! تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ چلو اب اپنے گھر چلو۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تمہاری دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں"

ودبھا نے ایک بے کیف اور مصنوعی ہنسی ہنسنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ دُکھ درد سے بھرا ہوا دل ہمدردی کے چند الفاظ سُن کر پگھل گیا۔ ہنسی رُکنے پر ودبھا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور اس کے مرجھائے ہوئے زرد زرد رخساروں کو تر کرکے اس کے گریبان میں جذب ہونے لگے۔ اس نے اس سیلاب کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن یہ خود سر نہ رُک سکے۔ کافی عرصے کے بعد اپنی عزت ہوتے دیکھ کر اس کے دل میں ایک قسم کا درد پیدا ہوگیا۔ اور اس درد کی ٹیس سے وہ آنسو بہانے پر مجبور ہوگئی۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔" شکر ہے آج اتنے دنوں بعد میری خبر تو لی گئی۔"

رام موہن سے نہ رہا گیا۔ اس کی بھی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں۔ اور اس نے روتے ہوئے کہا ——" ماں! یہ کیا، تم رو رہی ہو؟ اس شبھ موقعہ پر رونا مناسب نہیں۔ تم لکشمی ہو۔ ہنستے ہنستے گھر چلو۔ آج کا دن تو مبارک دن ہے"

ودبھا کی ماں کے دل میں یہ ڈر تھا کہ شاید ان کا داماد اب ودبھا کو اپنے گھر بلانا منظور نہ کرے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ رام موہن، ودبھا کو لینے کے لئے آیا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ رام موہن کو بلا کر داماد کی خیریت پوچھی۔ اور بڑی خاطر تواضع کی۔ کھانا کھلاتے وقت وہ رام چندر رائے کا حال بھی پوچھتی جاتی تھی۔ اور تسلی بخش جواب پا کر خوش بھی ہو رہی تھی۔ اسی ہنسی خوشی میں دن

گذرگیا۔ دوسرے دن سویرے وبھا کو سسرال بھیجنے کی نیک ساعت تجویز کی گئی۔ پرتاپ دت نے اس میں ذرا بھی مخالفت نہ کی۔ جب سب انتظام ٹھیک ہوگیا، تو وبھا ادیادت کو ملنے کے لئے گئی۔ ادیادت اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے تصورات کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔ وبھا کو دیکھ کر چونک پڑے۔ اور حیران ہوکر بولے۔

"وبھا! سُنا ہے گھر جا رہی ہو —— بڑی خوشی کی بات ہے۔ تم وہاں سُکھی رہو۔ اور گھر کی لکشمی بنی رہو۔ یہی میری آشیرباد ہے۔"

وبھا رونے لگی۔ ادیادت کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑے۔ انہوں نے وبھا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:" روتی کیوں ہو؟ یہاں تمہیں کون سا سُکھ تھا۔ چاروں طرف دُکھ، مصیبت اور رنج وغم چھایا ہوا تھا اس قید سے تو اب تم آزاد ہو رہی ہو۔"

وبھا جب جانے لگی۔ تو ادیادت نے پھر کہا — " جاتی ہو...... اچھا جاؤ۔ گھر جاکر ہمیں بھول نہ جانا۔ کبھی کبھی یاد کرتی رہنا۔"

وبھا وہاں سے رام موہن کے پاس پہنچی۔ اور کہا:" میں چندردیپ نہ جاسکوں گی۔ ... بپا کو اکیلا چھوڑکر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میری ہی وجہ سے انہیں اتنی مصیبت اٹھانی پڑی ہے۔ اور میں اس قدر خود غرض نہیں، کہ ان کو اس حالت میں چھوڑ کر اپنے جیون کو سُکھی بنانے کے لئے چلی جاؤں۔ جب تک ان کے دل میں ذرہ بھر بھی دُکھ ہے۔ اس وقت تک میں ان کے ہمراہ رہ کر دُکھ برداشت کروں گی۔ یہاں میری طرح ان کی خدمت کون کرے گا؟" اتنا کہہ کر وبھا روتی ہوئی چلی گئی۔

حرم سرا میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ رانی نے وبھا کو پیار سے سمجھایا۔ لیکن لاحاصل۔ جھڑک کر کہا۔ تو بھی بے اثر۔ نشیب و فراز سمجھائے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وبھا نے صرف یہی کہا:" ماں! میں نہ جاسکوں گی۔"

رانی نے روتے ہوئے غصّے سے کہا: "میں نے ایسی ضدّی لڑکی تو کبھی نہیں دیکھی جو اپنا بُرا بھلا بھی نہ سمجھے۔"

اس کے بعد اس نے سب حال مہاراج سے کہا۔ پرتاپ دت نے پُرسکون لہجہ میں جواب دیا: "وبھا اگر رضامند نہیں، تو وہ کیوں جائے گی۔"

رانی نے مایوس و لاچار ہو کر ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر کہا: "اچھا۔ جیسی آپ لوگوں کی مرضی ہو۔ کرو۔ میں اب اِن باتوں میں دخل نہ دوں گی۔"

یہ خبر سُن کر رادیادت سنائے میں آ گئے۔ انہوں نے وبھا کے پاس جا کر اسے بہت سمجھایا۔ اور کہا کہ گھر جانے میں ہی بہتری ہے۔ مگر ان سب باتوں کا جواب وبھا کے پاس سوائے آنسوؤں کے کچھ نہ تھا۔ اس نے ان کی کسی بات پر دھیان تک نہ دیا۔

رام موہن نے ناامید ہو کر اداس و غمگین لہجے میں کہا: "اچھا ماں! میں تو اب جاتا ہوں..... مہاراج سے جا کر کیا عرض کروں گا۔"

وبھا خاموش رہی۔

"اچھا، تو میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر رام موہن نے وبھا کو پرنام کیا۔ اور جانے لگا۔ وبھا یہ دیکھ کر گھبرا اُٹھی۔ صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ اور بے حوصلہ ہو کر کہا: "موہن۔"

رام موہن نے لوٹ کر کہا: "کیا ہے۔"

وبھا: "مہاراج سے عرض کرنا۔ کہ وہ میرا قصور معاف کریں۔ اس سے بڑھ کر میری بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے بلا بھیجنے پر بھی میں نہ جا سکی۔"

رام موہن نے انتہائی مایوس کُن لہجہ میں کہا: "جو حکم۔" یہ کہہ کر اس نے پھر پرنام کیا اور چلا گیا۔ وبھا کے دل میں شک پیدا ہو گیا۔ کہ رام موہن اس کے دلی مقصد کو نہ سمجھ سکا۔ اس سے وبھا کو فکر دامنگیر ہوئی۔ ایک تو ویسے ہی اس کا دل ایک عرصہ سے

گھر جانے کے لئے بے چین تھا۔ لیکن اب موقعہ ملنے پر بھی وہ نہ جا سکی۔ دوسرے رام موہن جو اس سے بہت ہی عقیدت رکھتا تھا، روٹھ کر چلا گیا تھا۔ ان باتوں کو سوچ کر اس کو جو دکھ ہوا۔ اس نے اسے تڑپا دیا۔

دبھا سسرال نہ گئی۔ اس نے اپنے آنسو آنکھوں ہی آنکھوں میں پی کر دل کو پتھر بنا لیا۔ اور اپنے بھائی کی سیوا میں لگ گئی۔ وہ دن بدن نحیف و نزار ہوتی چلی گئی۔ وہ ہر وقت افسردہ اور ملول رہنے لگی۔ گھر کے ضروری کاموں کی طرف متوجہ رہنا اس کا بہترین شغل تھا۔ ادیا دت جب کبھی پیار و محبت سے ایک آدھ بات کہہ دیتے تو وہ ایک پھیکی مسکراہٹ سے شکریہ ادا کر دیتی۔ اس کی یہ خواہش رہا کرتی تھی کہ وہ شام کے وقت اپنے بھیا کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کر کے اس کا دل بہلائے لیکن دل جب ایک بار بجھ جائے تو اس کے لئے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی...... مہارانی کبھی کبھی غصہ میں دبھا کو جھڑک دیتی ہے۔ تو وہ خاموشی سے سن لیتی ہے۔ اور اس کی کڑی باتوں کے تیر و نشتر چپ چاپ برداشت کر لیتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ ہمیشہ کھسک جانے میں ہی بھلائی سمجھتی ہے۔ راج محل کی کوئی عورت جب کبھی اس طرح اُداس رہنے یا کمزور ہونے کا سبب پوچھتی ہے۔ تو وہ اس کے جواب میں صرف مسکرا دیتی ہے۔

ادھر راج محل میں تو یہ حالت تھی۔ ادھر راج دربار میں بھاگونت وہ جعلی دستاویز لے کر مہاراج پرتاپ دت کے پاس آیا۔ مہاراج دستاویز دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے۔ اور اس معاملہ پر کافی غور و فکر کے بعد انہوں نے ادیا دت کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔

وزیر نے عرض کی۔ "مہاراج! یہ کام ولی عہد نے کیا ہو، بالکل ناممکن ہے۔ ..... یہ بات کسی طرح بھی قابلِ اعتبار نہیں۔"

جو کوئی بھی اس بات کو سنتا، دانتوں تلے انگلی دبا لیتا۔ اور حیرت سے کہتا۔
" یہ بات ماننے کی نہیں۔ دلی جہد سے یہ کام ہرگز نہ ہوگا۔ یہ قطعی ناممکن ہے "
پرتاپ دت نے بھی کہا۔ " ہمیں بھی اس بات پر کچھ خاص اعتبار نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی اگر ادیا دت جیل میں رہے۔ تو اس میں کیا ہرج ہے۔ وہاں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ صرف پہرہ لگا دیا جائے۔ تاکہ وہ پوشیدہ طور پر کوئی کام نہ کر سکے۔

---

(۲۰)

رام موہن بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا۔ بار ندامت سے سر جھکائے، ہاتھ باندھے ایک ملزم کی طرح راجہ کے حضور میں پیش ہوا۔ رام چندر رائے کو جب معلوم ہوا کہ وہ ناکام ہو کر لوٹ آیا ہے۔ تو ان کا سارا جسم مارے غصے کے جل اٹھا۔ انہوں نے دل ہی دل نہ معلوم کتنے ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے۔ انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ جب وبھا یہاں آئے گی۔ تو وہ پرتاپ دت اور اس کے خاندان کو خوب صلواتیں سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں گے۔ جیسے کہ انہوں نے وہ تمام باتیں ذہن نشین کر لی تھیں، جو کہ انہیں اس موقعے پر کہنی تھیں۔ لیکن رام موہن کو اکیلے آتا دیکھ کر وہ حیران ہو اٹھے۔ اور سراسیمہ ہو کر بولے۔

" رام موہن ! کیا ہوا ؟"

رام موہن۔ " حضور ! کام نہ بنا "

راجہ۔ " وبھا کو ساتھ نہ لا سکے "

رام موہن :" نہیں مہاراج! بدقسمتی سے کسی بُری ساعت میں ہی یہاں سے گیا تھا۔"

راجہ بہت غصّے سے بولے۔" گدھے تم کو کس نے کہا تھا۔ ہم نے تمہیں بار بار روکا۔ مگر تم نے ایک نہ سُنی۔ اور بھائی ٹھونک کر گئے تھے۔ مگر اب ــــــ"

رام موہن نے مایوسانہ پیشانی پر ہاتھ لگاتے ہوئے کہا ـــــــ" مہاراج! یہ میرے کرموں کا قصور ہے۔"

رام چندر رائے کے غصّے کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ گرج کر بولے۔" تم نے ہمارا نام لے کر بھیک مانگی۔ اور پرتاپ دت نے وہ بھی نہ دی۔ اس قدر توہین آج تک، ہمارے خاندان میں کسی کی نہیں ہوئی۔"

رام موہن نے اپنے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر کچھ گھمنڈ سے کہا ـــ" آپ یہ نہ کہیں۔ پرتاپ دت اگر نہ کاٹ ڈالتے۔ تو میں وبھا کو زبردستی لے آتا۔ اور اس بات کی تو میں قسم کھا کر گیا تھا۔ میں جب آپ کے حکم کی تعمیل کرنے گیا تھا۔ اس وقت مجھے پرتاپ دت کا ذرا بھی ڈر نہ تھا۔ اگر وہ راجہ ہیں تو کیا؟ میرے راجہ تو نہیں ہیں۔"

اس پر راجہ نے آہستہ سے کہا:" تو پھر کام کیوں نہ ہوا۔"

رام موہن فرطِ غم سے ایک لفظ نہ بول سکا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

رام موہن کی اس خاموشی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ راجہ کو بھلا اس قدر صبر کہاں تھا! بے حوصلہ ہو کر بولے:" رام موہن! جلدی جواب دو۔"

رام موہن نے ہاتھ جوڑ کر کہا:" مہاراج! ....."

راجہ:" کچھ کہو بھی ...."

رام موہن نے اپنے دل پر جبر کر کے بڑی مشکل سے کہا:" رانی صاحبہ نے خود آنے سے انکار کر دیا۔" اتنا کہہ کر رام موہن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ آنسو اس ندامت

کی وجہ سے تھے۔ جو آج اس کو اُٹھانی پڑی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس کو رانی صاحبہ پر اتنا وشواس تھا۔ جس کے بھروسے پر وہ چھاتی ٹھونک ان کو لینے کے لئے گیا تھا۔ لیکن اب اس اعتقاد کی قلعی کھل چکی تھی۔ دبھا نے اس کی عزت نہ کی۔ شاید اپنے وشواس کی کم مائیگی دیکھ کر وہ آنسو بہانے پر مجبور ہو گیا۔

جب راجہ نے سُنا، کہ دبھا نے خود یہاں آنے سے انکار کیا۔ تو وہ ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آنکھیں پھاڑ کر بولے "اچھا" اس کے بعد بڑی دیر تک ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ پھر رام موہن کے الفاظ کو دُہراتے ہوئے بولے "خود آنے سے انکار کیا۔ اچھا تم بھی ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ ہم تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتے"

رام موہن چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔ اس نے اس سزا کو مناسب تسلیم کیا کیونکہ یہ بات اس کے دل میں اچھی طرح روشن تھی کہ اس معاملے میں وہ واقعی قصوروار ہے۔ اس لئے اس نے اس حکم کو بے انصافی پر محمول نہ کیا۔

رام چندر رائے کے دل میں جوشِ انتقام کی جوالا بھڑک اٹھی۔ لیکن کوئی تجویز ایسی سمجھ میں نہ آئی کہ وہ اپنی توہین کا بدلہ کس طرح لیں۔ وہ پرتاپ دت کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ دبھا بھی ان کے حدودِ اختیار سے باہر تھی۔ اس لئے وہ بے تابی سے ادھر ادھر گھومنے لگے۔

دو ہی دنوں میں یہ خبر مختلف صورتوں میں چاروں طرف پھیل گئی۔ اور یہ بات اس قدر طول پکڑ گئی۔ کہ اس توہین کا بدلہ لئے بغیر چارہ ہی نہ رہا۔ یہاں تک کہ رعایا بھی بے چین ہو اُٹھی۔ کیونکہ وہ اپنے راجہ کی توہین کو اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ اول تو راجہ کے اندر بدلہ لینے کی خواہش قدرتی طور پہ زیادہ تھی۔ دوسرے انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر اس بات کو یوں ہی دبا دیا گیا۔ تو رعایا کیا سمجھے گی۔ اہلِ دربار

کیا کہیں گے۔ اور پھر رمائی؟..... رمائی کا خیال آتے ہی انہوں نے تصور ہی تصور میں دیکھا کہ رمائی ایک محفل میں اسی بات کو لے کر خوب حاشیہ آرائی کر رہا ہے۔ اور اہل محفل کے لئے دلچسپی کا سامان مہیا کر رہا ہے۔ اس سے وہ اور بھی زیادہ بے قرار ہو اُٹھے۔

ایک دن دربار لگا ہوا تھا۔ وزیر نے عرض کی۔

"مہاراج! آپ دوسری شادی کر لیں۔"

رمائی نے اس کی تائید کی: "حضور! پرتاپ دت کی لڑکی اپنے بھائی کے پاس ہے۔"

رمائی کی طرف دیکھ کر اور ہنس کر راجہ نے کہا: "ہاں! رمائی تم ٹھیک کہتے ہو۔"

دیوان: "مہاراج! وزیر صاحب نے ٹھیک عرض کیا ہے۔ اس سے پرتاپ دت اور ان کی لڑکی کو اچھی نصیحت ملے گی۔"

"لیکن اس شبھ موقعہ پر اپنے سسرال کو ضرور دعوت دیجئے۔ شاید دعوت نہ دینے سے ان کے دل کو صدمہ ہو۔" یہ کہہ کر رمائی نے کچھ اس انداز سے آنکھیں چمکائیں کہ دربار میں قہقہے گونجنے لگے۔ جو لوگ کچھ فاصلہ پر بیٹھے تھے۔ اور رمائی کے الفاظ اُن کے کانوں تک نہ پہنچے تھے۔ وہ بھی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

رمائی: "مہاراج! پھل دان کے وقت دستور کے مطابق سہاگن عورتوں میں سے سشوہر سے اپنی ساس کو بلا بھیجئے۔ اور پرتاپ دت کی لڑکی کو تھالی بھر مٹھائی بھجوا دیجئے لیکن اس کے ساتھ دعوت کیلئے بھی ___"

ایک دفعہ پھر ہنسی کا بازار گرم ہو گیا۔ اور درباری لوگ رومال سے منہ چھپا کر اور کچھ منہ پھیر کر ہنسنے لگے۔ سپہ سالار فرنانڈز سب کی آنکھیں بچا کر چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

دیوان نے ایک بار پھر مذاق کرنے کی کوشش کی۔ "اگر اس طرح مٹھائی تقسیم کرنی شروع کر دی۔ تو سب مٹھائی تو سشوہر کے آدمیوں کے حصہ میں چلی جائے گی۔

کیا چندر دیپ میں مٹھائی کھانے کے قابل کوئی بھی نہیں ہے؟"

یہ بات سن کر کسی کو ہنسی نہ آئی۔ راجہ خاموش ہو کر گڑ گڑی پینے لگے۔ درباری بھی اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے۔ رمائی نے دیوان کی طرف حیران ہو کر دیکھا۔ اور ایک وزیر نے افسوس کے ساتھ کہا: "کیوں دیوان جی! آپ مہاراج کے بیاہ کے موقعہ پر اتنی کم مٹھائی کا بندوبست کریں گے۔ کہ وہ شیو ہر میں ہی ختم ہو جائے گی؟"

دیوان سر کھجلانے لگا۔ اور اس طرح شادی کی سب باتیں طے ہو گئیں۔

(۲۱)

راج محل سے ملحقہ مکان میں ادیادت قید کئے گئے۔ راج محل کے ٹھیک جنوب کی طرف ایک سڑک ہے۔ اور اس کے مشرق کی طرف چوڑی دیوار ہے۔ اس دیوار پر پہرہ دار گھوم پھر کر پہرہ دیتے ہیں۔ جس کمرے میں ادیادت بند ہیں۔ اس کمرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی سے تھوڑا سا آسمان، بانسوں کا ایک جنگل۔ ایک طرف شوالہ دکھائی دیتا ہے۔

ادیادت جب اس جیل خانہ میں داخل ہوئے۔ تو شام ہو چکی تھی۔ وہ اس کھڑکی کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔ برسات کا موسم ——— آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ سڑک پر کہیں کہیں پانی ہے۔ ایک آدھ راہ گیر کے سڑک پر پانی میں چلنے سے "چھپ چھپ" کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ مشرق کی طرف سے دل کی دھڑکن کی طرح پہرہ داروں کے چلنے کی آہٹ کانوں میں آ رہی ہے۔ وقت کی گاڑی پوری رفتار سے اپنی منزلیں طے کر رہی ہے۔ چوکیداروں کی صدا سکوتِ شب کو منتشر کر رہی ہے۔ نیلگوں آسمان پر تارے بادلوں کی آغوش میں منہ چھپا کر سو رہے ہیں۔ بانسوں کے جنگل

پر جگنو پوری طرح قبضہ کر کے ایک نئے آسمان کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ ادیادت ٹکٹکی باندھے اس نظارے کی دید میں مصروف ہیں۔ اس سیاہ بختی میں نیند بھی ان کی آنکھوں سے دور بھاگ رہی ہے۔ وہ ساری رات پہرہ داروں کی صدا اور ان کے چلنے کی آہٹ سنتے رہے۔

اسی شام کو وبھا بھی ایک بار راج محل کے باغیچے میں چہل قدمی کے لئے گئی۔ ادھر محل کے اندر ایک قیامت برپا تھی۔ لوگوں کا ایک جمگھٹ ہے۔ چاروں طرف افراتفری کا عالم ہے۔ کوئی کچھ پوچھتا ہے کوئی کچھ۔ غرضیکہ ایک ایک آنسو کا حساب دینا پڑتا ہے۔ ہر ایک سرد آہ کی تشریح کرنی پڑتی ہے۔ اور ہر ایک سرگوشی کی چھان بین ہونے لگتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے وبھا جواب دیتے دیتے اکتا گئی ہے۔ اور مجبوراً باغیچہ کی طرف نکل آئی ہے۔ وہ ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ رات کی تاریکی ہر طرف ہاتھ بڑھانے لگی۔ راج محل کی روشنی ایک ایک کر کے بجھ گئی ہے۔ وبھا فطرتاً ہی ڈرپوک ہے۔ لیکن آج اس اندھیرے میں اسے ڈر کا احساس نہیں ہوا۔ اس بڑھتی ہوئی تاریکی میں اسے ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکی جا رہی ہو۔ وہ گم سم بیٹھی ایک بھیانک خواب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کو سکھ اور چین کی دنیا کے کنارے سے دھکیل کر نیچے گرا دیا ہے۔ اور وہ آہ دُبکا اور رنج و غم کے اندھیرے سمندر میں جا گری ہے۔ اس اندھیرے کو تقدیر نے اس کے مستقبل سے وابستہ کر دیا ہے۔ وہ اکیلی وہاں بیٹھی توشتۂ تقدیر کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی آنکھیں خشک اور پلکیں کھلی ہوئی ہیں۔ جسم بے حس و بے حرکت ہے۔

تاروں کے قافلے نے آدھی منزل طے کر لی۔ کرۂ ہوائی میں انتشار پیدا ہو گیا درختوں کی سرسراہٹ سے ایسا معلوم ہوا جیسے ہوا نیچے کی طرح رو رہی ہو۔ وبھا کے دل میں اچانک خیال پیدا ہو گیا کہ یہاں سے دور ــــــ بہت دور سمندر کے کنارے

اس کے حوصلہ اور پیار کے چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھ پیر پٹک کر رو رہے ہیں۔ وہ گھبرا کر وبھا کو ماں ماں کہہ کر پکار رہے ہیں۔ وہ اس کی گود میں آنا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں آنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے رونے چلانے کی آواز چالیس کروڑ کوس کے اندھیرے کو پھاڑ کر وبھا کے کانوں میں آ رہی ہے۔ وبھا کا دل پسیج اٹھا۔ اس نے بے حوصلہ ہو کر کہا: "تم سب کون ہو؟ ... اور اس طرح کیوں رو رہے ہو؟"

لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اور وہ تصور ہی تصور میں چالیس کروڑ کوس اندھیرے راستے پر یکہ و تنہا چل پڑی۔ کئی صدیوں تک وہ برابر چلتی رہی۔ لیکن منزل مقصود نہ ملی۔ اور نہ ہی راستے میں کوئی اور مسافر دیکھنے میں آیا۔ صرف وہی ہوا سے خالی بے آواز گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ جہاں نہ دن رات، نہ آسمان اور نہ ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اس نے وہاں کھڑے ہو کر اسی طرح رونے کی آواز سنی۔ اور کچھ بھی نہیں ——— وہی ہوا کی سنسناہٹ کی آواز آ رہی تھی۔ اسی طرح رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گذر گئی۔

دوسرے دن وبھا نے قید خانہ میں ادیادت سے ملنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر وہاں جانے کی اس کو اجازت نہ تھی۔ اس لئے وہ سارا دن روتی رہی۔ آخر کار وہ خود پرتاپ دت کے پاس گئی۔ اور جاتے ہی ان کے پیروں سے لپٹ گئی۔ بہت کچھ منت سماجت کرنے پر ملاقات کی اجازت ملی۔ لیکن رات ہو چکی تھی۔ اس لئے وبھا کو صبح تک انتظار کرنا پڑا۔ مگر ابھی پہر بھر رات باقی تھی۔ وبھا اپنی چارپائی سے اٹھی۔ اور قیدخانہ کا رخ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ادیادت اپنے بستر پر نہیں ہیں۔ وہ زمین پر بیٹھے، کھڑکی کے ساتھ سر لگائے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وبھا کی چھاتی پھٹ گئی۔ اس نے رونا چاہا۔ مگر اپنے آپ پر ضبط کر گئی۔ وہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں ادیادت کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شفق کی سرخی آسمان پر پھیل گئی۔ چڑیاں چہچہانے لگیں۔ نزدیک سڑک پر گذرنے والے مسافر گا کر صبح کی آمد کا اعلان

کرنے لگے۔ دو ایک پہرہ دار رات بھر جاگتے رہنے سے اونگھ رہے تھے۔ نسیم سحری کے جھونکوں سے وہ بھی ہوشیار ہو گئے۔ اور گنگنانا شروع کر دیا۔ مندروں میں سنکھ اور گھڑیاں بجنے لگے۔ اُدیادت بھی چونک کر جاگ اُٹھے۔ اور وبھا کو دیکھتے ہی بولے۔

"وبھا! ہو کیا..... اس قدر سویرے یہاں کیسے؟" پھر کمرے کے چاروں طرف ایک نظر ڈال کر کہا۔ "ارے میں کہاں ہوں۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر میں خیال آگیا، کہ وہ قید خانہ میں ہیں۔ انہوں نے وبھا کی طرف دیکھا۔ اور ایک سرد آہ بھر کر کہا ——

"آہ! تو مجھ سے ملنے آئی ہے..... کل جب دن بھر میں نے تجھے ایک بار بھی نہ دیکھا تو خیال آیا، کہ اب تم لوگوں کو دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔"

وبھا اُدیادت کے پاس آئی۔ اور اپنے آنسو پونچھ کر بولی: "بھیا! زمین پر کیوں بیٹھے ہو۔ تمہارا بستر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے چارپائی پر قدم تک نہیں رکھا۔ کیا دو دن اسی جگہ پر بیٹھے رہے ہو۔"

اُدیادت نے آہستہ آہستہ کہا: "وبھا چارپائی پر بیٹھنے سے مجھے آسمان نہیں دکھائی دیتا۔ کھڑکی کی راہ سے پرندوں کو آسمان کی طرف اُڑتے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں۔ ایک دن میرا قفس بھی ٹوٹے گا۔ میری غلامی کی زنجیریں بھی کٹ جائیں گی۔ اور میں بھی ان پرندوں کی طرح آزاد فضا میں سانس لے سکوں گا۔ لیکن جب اس کھڑکی سے الگ ہو جاتا ہوں۔ تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ اس وقت بھول جاتا ہوں۔ کہ مجھے بھی آزادی حاصل کرنی ہے۔ اور میں بھی کسی دن آزاد ہو جاؤں گا۔ مجھے یقین نہیں ہوتا کہ کبھی میری زنجیریں بھی کٹ جائیں گی —— وبھا اس کمرے میں یہ جو دو ہاتھ زمین ہے۔ یہاں آتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں فطرتاً ہی آزاد ہوں۔ مجھے کوئی بھی قید نہیں رکھ سکتا۔ اس گھر میں یہ نرم اور ملائم بستر ہی میرے لئے قید خانہ ہے

آج وبھا کو اچانک دیکھ کر ادیادت کو بہت ہی خوشی ہوئی۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی جوں ہی ان کی نگاہ وبھا پر پڑی۔ ان کو ایسا معلوم ہوا جیسے جیل خانہ کے سب دروازے کھل گئے ہوں۔ وبھا کے پاس بیٹھ کر وہ قید تنہائی کی سختیاں بھول گئے۔ اور اتنی باتیں کیں، جتنی کہ قید ہونے سے پہلے کبھی نہ کی ہوں۔ وبھا دل ہی دل میں ان کی خوشی کو محسوس کر رہی تھی۔ اور آج کافی دنوں کے بعد اس کو یہ احساس ہوا کہ وہ ادیادت کی خوشی کا باعث بن سکتی ہے۔ اور پھر بھلا ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کیا نہیں کر سکتی۔ اس خیال سے وبھا کے دل میں نئے سرے سے طاقت عود کر آئی۔ مایوسی کے اندھیرے میں اسے کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ ناامیدی کا بوجھ اس کی گردن دبا رہا تھا۔ اس کو اپنے آپ پر ذرہ بھر بھروسہ نہ تھا۔ وہ ادیادت کی خدمت کرتی تھی۔ لیکن اسے یہ اعتبار نہ تھا، کہ وہ اپنی خدمت سے ادیادت کو کوئی سکھ پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا آج اسے کچھ کچھ اعتبار ہوا۔

اب وبھا بھی ایک طرح سے قید خانہ میں رہنے لگی۔ صبح صادق ہوتے ہی جیل کا دروازہ کھلتا۔ اور وبھا اندر داخل ہوتی۔ نوکروں کی تمام ذمہ داریاں اس نے سنبھال لی تھیں۔ اور وہ سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی۔ وہ ادیادت کے لئے کھانا وغیرہ لا دیتی۔ اور خود ہی ان کا بستر ٹھیک کر دیا کرتی۔ اس نے ادیادت کی تنہائی کو کم کرنے کے لئے ایک پالتو طوطے کا پنجرہ لا کر وہاں رکھ دیا تھا۔ ہر روز سویرے باغیچہ سے پھول توڑ کر لے آتی۔ اور ہر ممکن کوشش سے ان کا غم غلط کرتی۔ ادیادت بھی وبھا کو اپنے پاس بٹھا کر مہابھارت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ لیکن وبھا کے لئے ان کے دل میں ایک فکر تھی۔ اس فکر سے انہیں بہت ہی دکھ ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس کے ارمانوں کا خون کرنے کے موجب ہیں۔ اور ابھی تو اس بے چاری کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہ اتری تھی۔ وہ ہر روز اس بات کا مصمم ارادہ کرتے

کہ وہ ویبھا کو اپنے گھر جانے کے لئے کہیں گے۔ اور بہن کی زندگی کو تباہ ہونے سے بچائیں گے۔ لیکن جب ویبھا ضیا پاش کرنوں کی بارش کرتی اور نسیم صبح کے فرحت بیز جھونکے اپنے آنچل میں سمیٹے اندر داخل ہوتی، تو اس کے چہرے کا پر سکون جلال ادیادت کے ارادے کو متزلزل کر دیتا۔ اس کی عقیدت اور احترام کو دیکھ کر ان کی ہمت جواب دے دیتی۔ اور جب وہ ترنم ریز لہجے میں کتنی ہی باتیں پوچھتی۔ تو انہیں یہ کہنے کا حوصلہ نہ پڑتا۔ کہ بہن اب تم گھر جاؤ۔ اور گھر میں سکھی رہو۔ میرے لئے اتنا دکھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ وہ روز ہی اپنے دل میں تہیہ کرتے کہ کل کہیں گے۔ مگر ابھی تک اس کی نوبت نہ آئی تھی۔ آخر ایک دن انہوں نے جرأت کر کے کہہ ہی دیا۔

"ویبھا! اب تم اپنے گھر جاؤ۔ میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے۔ اس لئے اب جب تک تم گھر نہ جاؤ گی۔ میرے دل کو چین نہ آئے گا۔ روز مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے تم پر کوئی مصیبت پڑنا چاہتی ہے۔ تم یہاں سے جس قدر جلد ممکن ہو۔ چلی جاؤ...... میں نہایت ہی منحوس ہوں۔ جہاں بھی میری نظر پڑتی ہے مصیبت منہ کھولے نظر آتی ہے۔ تم ضرور سسرال چلی جاؤ۔ یہاں مجھے تمہاری خیریت کا حال ملتا رہے گا، تو مجھے بہت ہی سکھ پہنچے گا"

ویبھا خاموش رہی۔

ادیادت سر جھکا کر بڑی دیر تک ویبھا کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے سوچا کہ جب تک میں قید سے رہا نہیں ہوتا۔ ویبھا مجھے چھوڑ کر کہیں نہ جائے گی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ رہائی کس طرح ملے گی۔

---

(۲۲)

راجہ رام چندر رائے کو جب یہ خیال آتا کہ وبھا پرتاپ دت کے دباؤ یا ادیادت کی صلاح سے نہیں، بلکہ اپنی مرضی سے چندر دیپ نہیں آئی۔ تو اُن کے غرور کو بڑی بھاری ٹھیس لگتی۔ انہوں نے سوچا کہ جب پرتاپ دت مجھے بے عزت کرنا چاہتے ہیں۔ اور وبھا کو یہاں نہیں آنے دیتے۔ تو میں کیوں نہ یہ بے عزتی ان کے گلے مڑھ دوں۔ میں انہیں ایک خط کے ذریعے اطلاع دے دوں، کہ میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے اس کو اب چندر دیپ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے اپنے مشیروں سے صلاح مشورہ کرکے اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ لیکن پرتاپ دت کو اس مضمون کا خط لکھنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ صدہا اندیشے اس سے وابستہ تھے۔ رام چندر رائے کے دل میں بھی ایک ڈر پیدا ہوگیا۔ لیکن جس طرح ایک ڈھلوان پہاڑی سے گرتے پر دل میں ہزار ڈر ہوتے ہوئے بھی انسان رُک نہیں سکتا۔ بلکہ نیچے لڑھکتا ہی جاتا ہے۔ ویسا ہی ایک خیال رام چندر رائے کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ وہ حوصلہ کرکے اس نتیجے پر پہنچے، کہ اس کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ انہوں نے رام موہن کو بلاکر حکم دیا، کہ یہ خط لیشوہر لے جاؤ۔

رام موہن نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مہاراج! مجھے معاف کریں۔ میں وہاں نہ جاسکوں گا.... میں قسم کھا چکا ہوں کہ اب میں لیشوہر ہرگز نہ جاؤں گا۔ پھر بھی اگر آپ رانی صاحبہ کو لے آنے کا حکم دیں؛ تو اس حالت میں ایک بار اپنی قسم توڑ دوں گا۔ ورنہ کسی حالت میں بھی نہیں۔"

راجہ نے اس کے متعلق رام موہن سے کچھ اور زیادہ کہنا مناسب نہ سمجھا اور

وہ خط بوڑھے نیتانند کو دے دیا۔ نیتانند وہ خط لے کر پرتو ہر روانہ تو ہو گیا۔ مگر اس کو بھی اس بات کا خوف ہوا کہ جب یہ خط پرتاپ دت کے ہاتھوں میں پہنچے گا۔ تو نہ معلوم وہ کیا کر بیٹھیں۔ اس لئے کافی سوچ بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ خط مہارانی کو دیا جائے۔

مہارانی آج کل اکثر افسردہ و ملول رہتی ہے۔ ایک تو دبھا کی فکر اس کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی۔ دوسرے اودیادت کا غم ان کو کھائے جا رہا ہے۔ اب اس کی آنکھیں نم آلودہ رہتی ہیں۔ گھر کے کام کاج میں دل بالکل نہیں لگتا۔ بلکہ طبیعت اچاٹ رہتی ہے۔ اس حالت میں رام چندر راؤ کا خط ملا جس نے رہی سہی تمام کسر پوری کر دی۔ اب وہ حیران تھی کہ کیا کرے۔ دبھا سے اس کے متعلق کچھ کہنا نامناسب تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سوکھ کر کانٹا ہی جا رہی تھی۔ اور اب ان حالات سے آگاہ ہو کر شاید دم ہی توڑ دے۔ مہاراج کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی۔ تو نہ معلوم کوئی فتنہ ہی برپا ہو جائے۔ یہ ایک عجیب مصیبت تھی۔ اس لئے کسی سے مشورہ لئے بغیر یہ بات ظاہر کرنے کا رانی کو حوصلہ نہ ہوا۔ اس کے اوسان جواب دینے لگے۔ فکر کی منجدھار میں پھنس کر جب کوئی سہارا نہ ملا۔ تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور اسی حالت میں مہاراج کے پاس گئی۔ اس نے رو کر ڈرتے ہوئے کہا۔" مہاراج! اب دبھا کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔"

پرتاپ دت۔" پھر کیا ہوا ہے؟"

مہارانی۔" ہوا تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی دبھا کو ایک نہ ایک دن سسرال تو بھیجنا ہی ہے؟

پرتاپ دت۔" یہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن اتنے دنوں بعد آج یہ خیال کیونکر آ گیا؟"

مہارانی نے ڈرتے ہوئے کہا: "آپ تو خواہ مخواہ شک کرتے ہیں... ہوتا
کیا تھا۔ یونہی یہ خیال آ گیا، کہ اگر کچھ ہو جائے ...."

پرتاپ دت نے غصے سے کہا۔ "ہو گا کیا؟"

مہارانی: "رام چندر رائے اگر دبھا کو چھوڑ دیں تو ——" اتنا کہہ کر
مہارانی رونے لگی۔

اس پر پرتاپ دت غصے کی آگ سے بھڑک اٹھے۔ ان کی آنکھوں سے
چنگاریاں نکلنے لگیں۔ ان کا خوفناک چہرہ دیکھ کر مہارانی نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔
اور کہا —— "میرے کہنے کا مقصد یہ تو نہیں کہ داماد نے کچھ لکھ بھیجا ہے۔ لیکن
بات یہی ہے کہ اگر وہ کسی دن ایسا کر دیں، تو ......"

پرتاپ دت: "تو اس وقت اس کا مناسب انتظام کروں گا۔ ابھی اس
کے لئے سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔"

مہارانی نے اب ضبط کا دامن چھوڑ دیا۔ اور رو کر کہا —— "مہاراج! میں
آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ آپ ایک بار ذرا سوچیں تو سہی، کہ دبھا کی کیا حالت ہے؟
میرا دل تو پتھر کی طرح سخت ہے ورنہ اب تک چور چور ہو گیا ہوتا۔ آپ نے دکھ دینے
میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ..... راجکمار کو ایک معمولی ملازم کی طرح قید کر رکھا ہے۔
.... وہ کسی کا قصور نہیں کرتا۔ کسی سے دشمنی نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ
راج کاج کیا بلا ہوتی ہے۔ رعایا پر حکومت کیسے کی جاتی ہے۔ ان سب باتوں کا اسے
علم تک نہیں۔ پرماتما نے اسے جیسا بنایا ہے۔ ویسا ہی ہے۔ اس میں اس کا کیا قصور
ہے۔" اتنا کہہ کر وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پرتاپ دت نے ذرا روکھے پن سے کہا۔ "یہ باتیں تو ہم کئی بار سن چکے ہیں۔
تم بار بار پہلے ہو رہی تھی۔ وہ کرو۔"

مہارانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ کر کہا۔ "میرا تو سر پھوٹ گیا ہے۔ اور کیا کہوں۔ کہنے پر بھی تو آپ کچھ نہیں سنتے۔ مہاراج! ایک بار وجے کے منہ کی طرف تو دیکھئے۔ وہ دن بدن سوکھ کر کانٹا ہوئی جاتی ہے۔ لیکن کسی سے کچھ نہیں کہتی۔ آپ اس کا علاج کریں۔"

پرتاپ دت کو آگ بگولا ہوتے دیکھ کر مہارانی چپ چاپ لوٹ آئی۔

---

(۲۳)

جب سیتا رام نے دیکھا کہ ادیادت قید کر لئے گئے ہیں۔ تو اس کا بھی پارہ چڑھ گیا۔ پہلے وہ رکمنی کے گھر پہنچا۔ اور اس کو خوب جلی کٹی سنائیں۔ یہاں تک کہ کئی بار اسے مارنے کے لئے بھی دوڑا۔ اور وہاں ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا۔ وہ چلا چلا کر کہنے لگا۔ "میں تیرے گھر کو جلا کر راکھ کر دوں گا.... تیرا سب کچھ تباہ و برباد کر دوں گا —— میرا نام بھی سیتا رام ہے۔ اب دیکھنا کس طرح ولی عہد کو قید سے رہا کراتا ہوں..... میں ابھی راج گڑھ جا رہا ہوں۔ وہاں سے لوٹ کر تیرا منہ کالا کر کے شہر بھر میں گھماؤں گا۔ اور اس کے بعد پانی پیوں گا....."

رکمنی کچھ دیر تک تند و تیز نگاہوں سے سیتا رام کے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اور اس کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اس نے دانت پیسے۔ ہونٹ سے ہونٹ دبایا۔ خوب زور سے دونوں ہاتھوں کی مٹھی باندھی۔ بھویں تن گئیں۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں کی کالی پتلیوں میں بجلی چمکنے لگی۔ کچھ دیر تک اس کا جسم سن ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا موٹا سا ہونٹ کانپنے لگا۔ سر کے بال کھل گئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں تھر تھر کانپنے

لگے۔ ایسا معلوم ہوا۔ جیسے اس کے سر پر بھوت سوار ہوگیا ہے۔ سیتا رام نے اس کی ذرا اُن کی شکل دیکھی، تو سمجھا کہ کوئی بلا سر پر آیا چاہتی ہے۔ اور وہ جھٹ سے باہر ہوگیا۔ سیتا رام کے گھر سے باہر نکل جانے پر رکمنی کا غصہ کم ہوا۔ اس کی مٹھیاں ڈھیلی پڑ گئیں۔ دانت سے دانت الگ ہوئے۔ اور اسی طرح بتدریج وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آگئی۔ جب وہ کچھ سنبھل گئی۔ تو بولی ——" ارے سیتا رام! ولی عہد تمہارے خریدے ہوئے ہیں نا؟ ان پر جو مصیبت پڑی ہے۔ اس کی چوٹ نے تمہیں تلملا دیا ہے۔ پاگل! یہ نہیں جانتا کہ وہ میرے ہیں۔ اور میں جس طرح چاہوں۔ اسے نچا سکتی ہوں۔ تو میرے ولی عہد کو قید سے چھڑانا چاہتا ہے۔ یہ بھی دیکھ لونگی"

اسی طرح وہ اناپ شناپ بکتی رہی۔

سیتا رام اسی دن رائے گڈھ چلا گیا۔

دن کے پچھلے پہر وسنت رائے اپنے کمرے کے باہر برآمدے میں بیٹھے تھے اس وقت وسنت رائے کے پاس اپنا رفیق "ستار" نہیں تھا۔ اور وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کو دیکھ کر گنگنا رہے تھے۔

اب میں کاہ کروں کت جاؤں
چھوٹ گیا سب ساتھ سہارا
ایک ہی بازی میں سب کچھ ہارا
اب کیا داؤ لگاؤں   کاہ کروں کت جاؤں
کوئی نہیں ہے میت ہمارا
چھایا چاروں اور اندھیارا
جوت کہاں سے پاؤں

اسی وقت خان صاحب نے آکر جھک کر سلام کیا۔ خان صاحب کو دیکھ کر

وسنت رائے نے خوش ہو کر کہا۔ "آؤ آؤ۔ خان صاحب! تم کچھ اداس نظر آتے ہو۔ سناؤ۔ طبیعت تو اچھی ہے نا!"

خان صاحب :- "طبیعت کا حال نہ پوچھئے۔ آپ کو اداس دیکھ کر مجھے کیونکر خوشی ہو سکتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے "رات کہتی ہے میری حقیقت کچھ بھی نہیں بلکہ میرا چاند ہی سب کچھ ہے۔ جس کے ساتھ رہ کر میں ہنستی اور روتی ہوں" —— مہاراج! آپ کے سوا اب میرا کون ہے۔ اگر آپ خوش نہ رہیں، تو میری خوشی کیا ہے۔"

وسنت رائے نے متفکر ہو کر کہا — "خان صاحب! یہ کیا.... میں تو بالکل اچھا ہوں۔ مجھے تو کوئی دکھ نہیں۔ میں تو اپنی خوشی میں آپ ہی مست رہتا ہوں۔ تم نے کیا اداسی دیکھی۔"

خان صاحب :- "مہاراج! اب پہلے کی طرح گانا بجانا نہیں ہوتا!"

وسنت رائے ذرا ٹھہر کر بولے "تم میرا گانا سنو گے؟ اچھا سنو!

اب میں کا کردوں کت جاؤں"

خان صاحب :- "اب آپ کا ستار کہاں گیا؟"

وسنت رائے :- "ستار —— ستار تو اب بھی ہے۔ مگر اس کے سب تار ٹوٹ چکے ہیں۔ اس لئے اسے اب رکھ چھوڑا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ آموں کے باغ کی طرف دیکھ کر پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد بولے —— "خان صاحب! تم ہی کچھ سناؤ۔ ایک گیت ہی سہی۔ ضرور گاؤ۔"

خان صاحب ایک بے تکی قوالی گانے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وسنت رائے مست ہو اٹھے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ نہ سکے۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خان صاحب کے ساتھ مل کر گانے اور تال پر تال دینے لگے۔ اسی طرح گاتے گاتے سورج غروب ہو گیا۔ ہر سمت اندھیرا پھیلنے لگا۔ چرواہے اپنے مویشی

ہانکتے، گیت گاتے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ اسی وقت سیتارام نے آکر مہاراج کو پرنام کیا۔ وسنت رائے نے حیران ہوکر گانا بند کر دیا۔ اور فوراً سیتارام کے پاس آکر کہا "کہو سیتارام اچھے تو ہو۔ ادیادت کیسے ہیں۔ وبھا کا کیا حال ہے۔ سب لوگ خیریت سے ہیں نا؟"

خان صاحب چلے گئے۔ سیتارام نے کہا "مہاراج! میں ایک ایک کر کے سب حال سناتا ہوں"۔ سب باتیں کہتے کہتے ولی عہد کے قید ہونے کی خبر سنائی۔ لیکن جس وجہ سے وہ قید کیے گئے، وہ صاف صاف مفصل طور پر بیان نہ کی۔

وسنت رائے کے سر پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے سیتارام کا ہاتھ خوب زور سے پکڑا۔ آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان کو سکتہ سا ہوگیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے سیتارام کے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے: "ارے....."

سیتارام: "جی مہاراج!"

کچھ دیر چپ رہ کر وسنت رائے نے پھر کہا "سیتارام!...."

سیتارام: "مہاراج!"

وسنت رائے: "قید کیے جانے کے بعد ادیادت کہاں ہیں؟"

سیتارام: "جی! وہ ابھی قید خانہ میں ہیں"

فرطِ غم سے وسنت رائے نیم پاگل سے ہو گئے۔ وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی، کہ ادیادت قید خانہ میں ہیں۔ انہوں نے تھوڑی دیر بعد سیتارام کا ہاتھ پکڑ کر پھر کہا —— "سیتارام!...."

سیتارام: "مہاراج!"

وسنت رائے: "ادیادت قید خانہ میں کیا کرتے ہیں؟"

سیتارام: "قید تنہائی میں کیا کرتے ہوں گے مہاراج!"

وسنت رائے: "کیا انہیں باہر نہیں آنے دیا جاتا؟"

سیتارام :۔ "جی نہیں۔"

وسنت رائے :۔ "وہ اکیلے ہی قید خانہ میں رہتے ہیں۔"

وسنت رائے یہ باتیں کسی خاص آدمی کو مخاطب کر کے نہ پوچھ رہے تھے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ یوں ہی خود بخود بول رہے ہیں۔ اور ان کے حواس بجا نہیں ہیں۔

سیتارام نے یہ سمجھ کر پھر کہا۔ "ہاں مہاراج!"

وسنت رائے :۔ "بھائی! تم ذرا میرے پاس آ کر بیٹھو۔ تم کو شاید کسی نے پہچانا نہیں۔"

---

(۲۴)

یشوہر پہنچ کر وسنت رائے پرتاپ دت سے ملے۔ اور حلیمی سے کہا "پرتاپ! پدرانہ اُلفت اس قدر سرد ہو چکی ہے کہ تم اودے کو بھی دُکھ دینے لگے .... بھلا اس نے ایسا کون سا قصور کر دیا؟ ـــــ اگر اس سے تمہیں محبت نہیں، اور وہ قدم قدم پر تمہیں رکاوٹ معلوم ہوتا ہے۔ تو اسے اِس بوڑھے کے سپرد کر دو ـــ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور اسے ایسی جگہ رکھوں گا، کہ پھر تم اسے نہ دیکھو گے ـــــ وہ ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گا۔"

پرتاپ دت بڑی دیر تک حوصلہ کئے چپ چاپ وسنت رائے کی باتیں سنتے رہے۔ آخر بولے ـــــ "چچا جی! میں نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے .... اس کے متعلق آپ میری نسبت بہت ہی کم جانتے ہیں۔ اس لئے آپ کی یہ باتیں صرف مجھے پسند ہی نہیں۔ بلکہ ان کو میں حقارت سے دیکھتا ہوں۔ ـــــ"

اس پر بھی وسنت رائے آہستہ آہستہ پرتاپ دت کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اور

ان کا ہاتھ پکڑ کر بولے ــــ "پرتاپ! تم بچپن کی سب باتوں کو بھول گئے ...... میں نے تمہیں گود میں کھلایا۔ پال پوس کر بڑا کیا۔ یہ باتیں کیا بالکل یاد نہیں آتیں؟ جب مرحوم بھائی تمہیں میرے ہاتھوں سونپ گئے؟ اس دن سے آج تک میں نے تمہیں کوئی دُکھ ہونے دیا؟ کیا تم نے اپنے آپ کو ایک دن بھی یتیم سمجھا ہے؟ پرتاپ! کچھ تو کہو میں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے؟ جس کی سزا اس بڑھاپے میں دے رہے ہو ــــ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تم کو پالا پوسا، اس لئے تم میرے قرض دار ہو۔ کیونکہ میں نے تو صرف اپنے بھائی کا قرضِ محبت چکایا ہے۔ اس لئے میں حصّہ دار بن کر تم سے کچھ لینا نہیں چاہتا۔ اور نہ کبھی کچھ لیا ہے۔ میں تم سے صرف ایک بھیک چاہتا ہوں۔ کیا وہ بھی نہ دوگے؟"

وسنت رائے کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ مگر پرتاپ دت پتھر کی مورتی کی طرح بیٹھے رہے۔

وسنت رائے نے پھر کہا: "کیا تم میری بات پر توجہ نہ دوگے؟.... کیا میری بھیک کی لاج نہ رکھوگے؟ پرتاپ! کیا میری بات کا کچھ بھی جواب نہ دوگے؟ اچھا، میری ایک اور چھوٹی سی التجا ہے۔ میں اودے کو ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں۔ پہرہ داروں کو حکم دو کہ مجھے جیل میں داخل ہونے وقت نہ روکیں۔"

پرتاپ دت نے اس مطلب کے لئے بھی کوئی حکم نہ دیا۔ بلکہ ادیادت کی اسقدر حمایت دیکھ کر وہ دل ہی دل میں جل گئے۔ اس معاملے میں لوگ ان کو جس قدر قصوروار سمجھتے ہیں۔ ان کا غصہ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔

وسنت رائے مایوس ہو کر حویلی میں لوٹ گئے۔ ان کا چہرہ اداس دیکھ کر وبھا کو نہایت ہی دُکھ ہوا۔ وبھا نے وسنت رائے کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"دادا جی! میرے کمرے میں چلئے!"

وسنت رائے چپ چاپ اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وبھانے بڑی عزت سے انہیں ہاتھی دانت کی چوکی پر بٹھایا۔ پان الائچی پیش کی۔ اور خود ان سے ذرا ہٹ کر نیچے بیٹھ گئی۔ وسنت رائے نے کہا۔" اب میں تمہارے ہاتھ کا پان کھانے کے لائق کہاں۔ جب اس قابل تھا اس وقت تم پان لگا کر دینے کے قابل نہ تھیں۔ اب اس پوپلے منہ میں پان کی شوبھا ہی کیا۔۔۔"

وسنت رائے نے دیکھا۔ وبھا کچھ اداس ہو گئی ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں۔ وسنت رائے نے اس کی اداسی کو دور کرنے کے لئے فوراً کہا۔" اچھا وبھا! تھوڑی دیر کے لئے اپنے دانت مجھے اُدھار دے دو۔ پان چبا کر واپس کر دوں گا" یہ کہہ کر دو بیڑے پان اُٹھا کر منہ میں رکھ لئے۔

یہ سن کر وبھا مسکرا دی۔ اور کہنے لگی۔۔۔" دادا جی! تمہارے بال ہی بالکل پک گئے ہیں۔ اس لئے تھوڑی دیر کے لئے نہیں۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے میرے دانت اُدھار لے لو"

وسنت رائے اس کی یہ بیزاری دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن تبھی ایک خادمہ نے آکر وسنت رائے سے کہا۔۔۔" مہارانی پرنام کرنا چاہتی ہیں"

وسنت رائے مہارانی کے محل کی طرف چل دئے۔ اور وبھا دیاوت کے پاس چلی گئی۔

مہارانی نے وسنت رائے کو پرنام کیا۔ وسنت رائے نے آشیرباد دیتے ہوئے کہا۔ "جیتی رہو"

مہارانی :۔" چچا جی! ایسی آشیرباد نہ دیجئے۔ اب تو موت ہی آجائے تو چھٹکارا ہو"

وسنت رائے نے دکھی ہو کر کہا" رام رام! ایسی بات بھی کوئی کہتا ہے"

مہارانی :۔" چچا جی! اب اور کیا کہوں، میرے گھر تو سنیچر دیوتا کی نظر پڑ گئی ہے"

وسنت رائے بے چین ہو اٹھے۔ مہارانی نے پھر کہا۔" وبھا کی حالت دیکھ کر کھانا پینا

کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ لاکھ پوچھو۔ کسی بات کا جواب تک نہیں دیتی۔ دن بدن گھلتی جاتی ہے۔ اب اس کا کیا علاج کروں۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا......"

وسنت رائے اور بھی گھبرا گئے۔ مہارانی نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"یہ دیکھئے۔ ایک منحوس چیٹھی بھی آئی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے وسنت رائے کو رام چندر رائے کی چیٹھی دے دی۔ وسنت رائے چیٹھی پڑھنے لگے۔ ادھر رانی رو رو کر کہنے لگی: "میری قسمت میں تو سکھ لکھا ہی نہیں۔ ادیادت کچھ جانتا ہی نہیں۔ اور مہاراج تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ راجکمار ہی نہیں۔ لیکن میں نے تو اسے پیٹ میں پالا ہے۔ میں نہیں جانتی وہ بچارا وہاں کیسے رہتا ہے۔ مہاراج تو اسے دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔"

مہارانی آج کل کوئی بات کرے لیکن دورانِ گفتگو میں کسی نہ کسی طرح اُدیادت کا ذکر ضرور اس کی زبان پر آجاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادیادت کا غم دن رات اس کو کھائے جا رہا ہے۔ خط پڑھ کر وسنت رائے حیران ہو کر رہ گئے۔ وہ دم سادھے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے رانی سے پوچھا ــــــ "یہ خط کسی اور کو تو نہیں دکھایا؟"

مہارانی: "اگر مہاراج کو اس چیٹھی کا حال معلوم ہو جاتا، تو قیامت برپا نہ ہو جاتی۔ اور وبھا تو جان ہی دے دیتی۔"

وسنت رائے: "یہ بہت ہی اچھا کیا۔ اس چیٹھی کا حال کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو۔ دوسرے اب وبھا کو جلد سسرال بھیج دو۔ اب عزت اور توہین کے متعلق کچھ نہ سوچو۔"

رانی: "میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ اس عزت اور بڑائی کو کیا کروں گی۔ میری وبھا سکھی رہے۔ یہی میرے لئے کافی ہے ــــ مگر ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں وہ وبھا کو کوئی تکلیف نہ دیں۔"

وسنت رائے: "وہ لوگ وبھا کو کیا تکلیف دیں گے۔ وبھا کوئی معمولی لڑکی

تھوڑے ہی لیے۔ وہ جہاں جائے گی۔ وہاں ہی اس کی عزت ہوگی۔ وہ تو لکشمی ہے ——
رام چندر رائے نے تو غصے میں یہ چیٹھی لکھی ہے۔ وبھا کے وہاں پہنچتے ہی ان کا غصہ ٹھنڈا
پڑ جائے گا۔"

---

(۲۵)

شام کا وقت ——— وسنت رائے راج محل کے باہر اکیلے بیٹھے ہیں! اس
وقت سیتارام نے آکر ان کو پرنام کیا۔

وسنت رائے نے پوچھا ——— "کہو سیتارام کیا حال ہے؟"

سیتارام۔ "مہاراج! یہ بعد میں بتاؤں گا۔ آپ ابھی میرے ساتھ چلیں۔"

وسنت رائے۔ "کہاں —؟"

سیتارام نے ان کے کان میں کچھ کہا۔ وسنت رائے نے حیرانی سے پوچھا ——
"کیا سچ کہتے ہو؟"

سیتارام۔ "جی بالکل سچ!"

وسنت رائے۔ "اچھا ایک بار وبھا سے مل لوں۔"

سیتارام۔ "جی نہیں۔ اتنا وقت نہیں ہے۔"

وسنت رائے۔ "کہاں جانا ہوگا —؟"

سیتارام۔ "آپ میرے ساتھ آیئے۔ میں لے چلتا ہوں۔"

وسنت رائے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔ "ایک بار وبھا کو کیوں نہ دیکھ آؤں؟"

سیتارام۔ "نہیں مہاراج! دیر ہونے سے بنی بنائی بات بگڑ جائے گی۔"

وسنت رائے نے بڑی جلدی سے کہا "اچھا چلو..... یہ بھی نہ سہی"

وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ کچھ دور جانے پر وسنت رائے نے کہا ——
سیتارام! دراصل معاملہ کیا ہے۔ اور کون سا کام بگڑ جائے گا"

سیتارام نے پھر کہا۔ "نہیں مہاراج! دیر ہونے سے ہم لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے"

وہ دونوں راج محل سے باہر نکل آئے۔ وسنت رائے کی آمد کا حال ابھی تک ادیادت کے کانوں تک نہ پہنچا تھا۔ وبھا نے سوچا کہ جب دادا جی سے ان کی ملاقات ہو ہی نہیں سکتی۔ تو پھر خواہ مخواہ یہ خبر بتا کر ادیادت کو دکھ کیوں پہنچایا جائے۔ شام ہونے پر وبھا ادیادت سے اجازت لے کر جیل سے چلی آئی۔ آج وہ معمول کے خلاف دیر سے جیل میں گئی تھی۔ اور نسبتاً سویرے واپس آگئی۔ دوسرے ادیادت نے آج اس کو کچھ زیادہ اداس دیکھا تھا۔ ان باتوں کو نوٹ کر کے ادیادت دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ انہیں خیال آیا، کہ کہیں وبھا مجھ سے بدگمان تو نہیں ہو گئی؟ "کیا اب وہ میری خدمت کرنا پسند تو نہیں کرتی؟ وہ مجھے اپنے سکھ کی راہ کا کانٹا تو نہیں سمجھنے لگی۔ آج وہ دیر سے آئی تھی۔ کل شائد اور بھی دیر سے آئے۔ اور پھر مجھے سارا سارا دن اس کا انتظار کرنا پڑے۔ وبھا کب آئے گی؟ اسی فکر میں صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گی۔ پھر بھی وبھا نہ آئے گی۔ اور اس کے بعد شاید پھر کبھی بھی نہ آئے"

ادیادت اسی فکر میں غلطاں وپیچاں یاس وحرماں کے صحرا میں سرگرداں تھے۔ وہ مایوسی کے بگولوں میں گھر کر نیم جان ہو رہے تھے۔ اسی وقت باہر سے لوگوں کے چلانے کی آواز آئی —— "آگ لگ گئی —— آگ..... آگ" اور پھر ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ ادیادت کا دل کانپ اٹھا۔ باہر شور برپا تھا۔ چھت پر لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ادیادت نے سمجھا کہ ڈیوڑھی کے آس پاس کہیں آگ

لگی ہے۔ شوروغل بڑھتا جارہا تھا۔ اور ان کا دل بُری طرح گھبرا رہا تھا۔ اتنے میں یکدم ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ساتھ ہی جلدی سے ایک آدمی اندر گھسا۔ انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

اس اثنا میں سیتارام نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جلدی باہر چلیں۔"

ادیادت۔ "کیوں...."

سیتارام۔ "ولی عہد صاحب! قید خانہ میں آگ لگی ہے۔ آپ جلد یہاں سے بھاگ چلیں۔" اتنا کہہ کر سیتارام نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ان کو کھینچ کر بڑی جلدی سے قید خانہ سے باہر لے آیا۔

اتنے عرصے کے بعد کھلی فضا میں سانس لیتے ہی ادیادت کی رگ رگ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے نیلگوں آسمان کی لامحدود فضا میں ستاروں کو درخشاں دیکھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کو ایک نئی زندگی کا پیغام دینے لگے۔ نرم و ملائم گھاس پر کھڑے ہو کر وہ بے پایاں مسرت محسوس کرنے لگے۔ اور کافی دیر اُن پر غنودگی چھائی رہی۔ پھر وقت اور موقعہ کی نزاکت کا خیال کر کے انہوں نے پوچھا۔ "سیتارام! اب کیا کرنا ہوگا؟ کہاں جانا ہوگا؟"

سیتارام نے جواب دیا۔ "آپ میرے ساتھ چلے آیئے۔"

---

(۳۶)

سیتارام ولی عہد کو نہر کے پاس لے گیا۔ وہاں ایک کشتی پہلے ہی تیار تھی۔ وہ جب کشتی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ تو اُن کو دیکھ کر جھٹ ایک آدمی کشتی سے باہر

آکر بولا۔۔۔ "میرے اودے آگئے؟" اُدیادت اس پہچانی ہوئی آواز کو سُن کر ایکدم چونک پڑے۔ دنیا کی تمام مسرتیں اور سُکھ اس آواز میں پنہاں تھے۔ کبھی کبھی قید خانہ میں گہری رات کے سناٹے میں جب وہ محوِ خواب ہوتے تھے۔ تو خواب میں بھی یہ میٹھی آواز سُن کر چونک پڑتے تھے۔ ابھی تک ان کی حیرانی دور نہ ہوئی تھی، کہ وسنت رائے نے آکر انہیں گلے لگا لیا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ وہیں دُوب پر بیٹھ گئے۔ بڑی دیر کے بعد اُدیادت نے کہا۔۔ "دادا جی!" اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکے۔

وسنت رائے: "ہاں بیٹا!"

اس سے زیادہ بات نہ ہوئی۔ کافی دیر کے بعد اُدیادت نے اپنے ارد گرد چاروں طرف دیکھا۔ پھر آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی۔ اس کے بعد وسنت رائے کے منہ کی طرف دیکھ کر فرطِ انبساط سے کہا۔۔۔ "دادا جی! آج مجھے آزادی ملتے ہی آپ کے درشن ہوئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیئے۔ نہ معلوم یہ سُکھ کی گھڑی کب تک رہے گی؟"

وسنت رائے ابھی کچھ کہنے کو ہی تھے کہ سیتارام نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔۔ "آپ اب کشتی میں سوار ہوں۔"

ولی عہد نے حیران ہو کر کہا۔ "کیوں، کشتی میں کس لئے؟"

سیتارام۔ "مہاراج! تھوڑی دیر تک تو پہرہ دار یہاں آ پہنچیں گے۔"

اُدیادت نے سراسیمہ ہو کر وسنت رائے سے پوچھا۔۔ "دادا جی! کیا ہم لوگ بھاگے جا رہے ہیں؟"

وسنت رائے نے اُدیادت کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "ہاں! میں تمہیں چرانے کے لئے جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ یہ پتھر دل لوگوں کی بستی ہے۔ یہاں کے لوگ تم سے محبت نہیں

کرتے۔ ہرن کے بچے کی طرح تم بھی شکاری کے راج میں رہتے ہو..... میں تم کو اپنے دل کے اندر چھپا کر رکھوں گا۔ وہاں تم سکھ سے رہوگے" اتنا کہہ کر انہوں نے ادیادت کو اپنی چھاتی کے پاس کھینچ لیا۔

ادیادت نے اس بات کے ہر ایک پہلو پر نظر ڈالنے کے بعد کہا ــــ" نہیں دادا جی! میں اس طرح بھاگ کر نہ جاؤں گا

وسنت رائے" کیوں؟ کیا اس بوڑھے کو اب بھول گئے؟"

ادیادت:" میں ایک بار چچا جی کے پاس جاؤں گا۔ اور رو دھو کر ان سے التجا کروں گا۔ شاید منت سماجت سے وہ رائے گڑھ جانے کی اجازت دے دیں"

وسنت رائے گھبرا اٹھے اور بولے۔" یہ غلطی ہرگز نہ کرنا۔ وہاں جانے پر کچھ حاصل نہ ہوگا"

ادیادت:" اگر ایسی بات ہے تو میں پھر جیل میں واپس چلا جاتا ہوں"

وسنت رائے نے زور سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا" ذرا جاؤ تو۔ میں بھی دیکھوں۔ تم کیسے جاتے ہو.... میں تمہیں ہرگز نہ جانے دوں گا"

ادیادت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا" مجھ بدقسمت کو ساتھ لے جا کر آپ کیوں اپنے اوپر بلا نازل کرتے ہیں ــــ میں تو جہاں رہتا ہوں۔ وہاں بھی تو سکھ سے کی امید ہو سکتی ہے"

وسنت رائے" اور تم یہی چاہتے ہو کہ وبھا اپنے ارمانوں کا خون کر کے تمہارے ساتھ قید خانہ کی مصیبتیں برداشت کرے۔ تم اس کی زندگی بھی برباد کرنا چاہتے ہو"

ادیادت" نہیں دادا جی! میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا..... چلیے میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا" پھر وہ سیتارام کی طرف مخاطب ہوئے ــــ" سیتارام! میں راج محل میں تین خط بھیجنا چاہتا ہوں"

سیتارام: "آپ کشتی میں بیٹھ کر تحریر کریں ——— لیکن مہاراج! ذرا جلدی کریں۔ وقت بہت تنگ ہے"

ادیادت نے پہلے خط میں مہاراج سے معافی مانگی۔ دوسرے میں ماں کو لکھا "تم نے مجھ سے دکھ ہی دُکھ اُٹھایا ہے۔ افسوس! کہ میں تمہیں کبھی سُکھ نہ دے سکا۔ میں داداجی کے ساتھ جا رہا ہوں۔ وہاں کچھ دن سُکھ سے رہوں گا۔ اس لئے میرے لئے کوئی فکر نہ کرنا۔"

تیسرا خط ودیا کو لکھا۔ "بہن ودیا! تمہیں کیا لکھوں۔ تم اپنے گھر ہمیشہ سکھی رہو۔ اور اپنے دل سے رنج و غم نکال کر خوشی سے زندگی بسر کرو۔"

سیتارام نے یہ تینوں خط ایک ملاح کی معرفت بھجوا دئے۔ اور ابھی وہ کشتی پر سوار ہو رہے تھے۔ کہ انہوں نے دیکھا، کوئی آدمی ان کی طرف دوڑا آ رہا ہے۔ سیتارام اس کو پہچان کر چونک پڑا ——— "اسے یہ تو رکمنی ڈائن آ رہی ہے"

اتنے میں رکمنی ان کے نزدیک آ پہنچی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح سُرخ تھیں۔ اس کا آنچل اس کی چھاتی سے ہٹ گیا تھا۔ بار بار اس کی حسرتوں کو پامال کرنے کی وجہ سے اس کا جذبۂ انتقام بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس کے جذبات کی بھڑکتی ہوئی آگ نے اس کو پاگل بنا دیا تھا۔ لیکن انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے گھبرا کر وہ جس کو بھی سامنے دیکھتی تھی۔ اسی کو نوچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے کاٹ کھاتی۔ اور اس طرح اپنے غصے کی آگ سرد کرتی۔ اس نے آتے ہی شیرنی کی طرح اچھل کر ادیادت پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن سیتارام درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس پر وہ چلا کر سیتارام پر کود پڑی۔ اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر خوب زور سے دبانے لگی۔ سیتارام چیخ پڑا۔ اس کی آواز سنتے ہی کشتی کے سب ملاح دوڑے آئے۔ ان لوگوں نے رکمنی کو زبردستی الگ کیا۔ اس وقت اس کی حالت خودکشی کرنے والے بچھو سے مشابہ تھی۔ جو اپنے جسم میں خود ہی ڈنک مارتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی اپنے ناخنوں سے اپنے

سر کے بال اور چھاتی نوچنے لگی۔ اور چلا چلا کر کہنے لگی "کچھ بھی نہ ہوا..... میں مر رہی ہوں۔ اور ایک عورت کے خون کا گناہ تم لوگوں کے سر ہو گا" اس کی یہ آواز اندھیری رات میں دور دور تک گونج گئی۔ اور اسی وقت وہ ندی میں کود پڑی۔ برسات کی وجہ سے ندی میں پانی زوروں پر تھا۔ اس لئے اس کا کچھ پتہ نہ لگا۔ اور نہ ہی کسی نے اس کی ضرورت سمجھی۔

سیتا رام کے شانے سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس نے اپنی چادر پانی میں بھگو کر پٹی باندھی۔ پھر اس نے ادیا دتہ کے پاس آکر دیکھا۔ ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ڈھلک رہے تھے۔ اور وہ تقریباً بے ہوش ہو گئے تھے۔ وسنت ملے بھی ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح پریشان و حیران ہو رہے تھے۔ ملاحوں نے جلد ہی کشتی کھول دی۔ سیتا رام نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت یہ نحوست کہاں سے آگری تھی"

---

(۲۷)

جب کشتی نہر سے نکل کر دریا میں جا پہنچی۔ تو سیتا رام کشتی سے اتر کر شہر واپس لوٹ آیا۔ اور آتے وقت ولی عہد کی تلوار ساتھ لیتا آیا۔ اس نے ولی عہد کے تینوں خط ایک آدمی کو دے کر پہلے ہی محل کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ لیکن تنہائی میں اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا، کہ یہ خطوط اپنے پاس رکھنا۔ کسی کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ پہلے محل کے پاس پہنچا۔ اور اس آدمی سے وہ خط واپس لے لئے۔ مہارانی اور وبھا کے خطوط جیب میں رکھ لئے۔ لیکن مہاراج کا خط پھاڑ کر جلا دیا۔

قید خانہ میں جو آگ لگی تھی۔ وہ ہر لحظہ پھیلتی جا رہی تھی۔ اور اب تو وہ بھیانک

شکل اختیار کر رہی تھی۔ کیونکہ اب آگ اس کمرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ جہاں ادیادت قید تھے۔ یہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ آگ وہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے اس طرف کسی نے دھیان نہ دیا تھا۔ آگ ہر ایک چیز کو راکھ میں تبدیل کر رہی تھی۔ سیتارام نے گھوم پھر کر جب دیکھا کہ ادیادت کے کمرے کو آگ بری طرح جلا رہی ہے۔ تو اس نے ایک مردہ کی کھوپڑی، کچھ ہڈیاں اور ادیادت کی تلوار اس کمرے کے اندر پھینک دی۔

دوسری طرف کچھ آدمی پہرہ داروں کی کوٹھریوں کی آگ بجھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ "ارے بھائی! ولی عہد کے کمرے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں!"

یہ سنتے ہی پہرہ داروں کے ہوش اڑ گئے۔ دم خشک ہو گیا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ دائیں سمت کھڑے سپاہی کو تو چکر آنے لگے۔ اس کے ہاتھ سے پانی کا گھڑا چھوٹ کر گر پڑا۔ اور وہ اپنی تمام چیزیں چھوڑ کر اس کمرے کی طرف دوڑا۔ اتنے میں ایک دوسرے آدمی نے آ کر کہا۔ "کمرے کے اندر ولی عہد صاحب چلا رہے ہیں۔"

ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ سیتارام نے کہا۔ "ارے جلدی چلیے ولی عہد کے کمرے کی چھت جل کر گر پڑی ہے..... اب تو ان کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔"

سب اس کمرے کی طرف دوڑے۔ اور وہاں پہنچ کر دیکھا۔ چھت گر چکی ہے چاروں طرف آگ دہک رہی ہے۔ کمرے میں اندر جانے کا کوئی بھی راستہ نہیں۔ تب وہ سب پریشان ہو کر ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے۔ اور اس بات کا فیصلہ ہونے لگا کہ کس کی غفلت سے اس حادثہ کی نوبت پہنچی۔ بات بڑھتے بڑھتے تو تو میں میں ہونے لگی اور یہ معاملہ گالی گلوج سے بڑھ کر مار پیٹ تک پہنچ گیا۔

سیتارام نے سوچا کہ ولی عہد کے آگ میں جل کر مر جانے کی خبر مشہور کر دی جائے

تو میں کچھ دن بے فکر ہو کر یہاں رہ سکوں گا۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے چاروں طرف دیکھا۔ آگ خوب اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اب اس نے وہاں ٹھہرنا بے سود سمجھا۔ اور سر پر چادر لپیٹ کر خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دور جانے پر اسے ایک بات اور سوجھی۔ اسے خیال آیا کہ اب یہ شہر سے تو بہر حال بھاگنا پڑے گا۔ اور ابھی بغیر محنت کے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے۔ وہ کیوں چھوڑا جائے۔ منگلا (رکمنی) تو ڈوب کر مر چکی ہے۔ یہ آفت بھی سر سے ٹلی۔ ایک بار اس کے گھر سے ہوتا جاؤں۔ اس کے پاس بے شمار روپے تھے۔ اور اس دنیا میں تو اس کا کوئی وارث بھی نہیں۔ اس لئے اگر اس کا روپیہ میں نے نہ لیا تو ضرور کوئی اور لے لے گا۔ لیکن کوئی اور کیوں لے۔ ایک بار کوشش تو کرنی چاہئے۔

یہ سوچ کر سیتا رام رکمنی کے گھر جا پہنچا۔ دروازہ کھلا تھا۔ خوشی خوشی اندر گھس گیا۔ اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ رکمنی کی تاریک قسمت کی طرح یہاں بھی ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ نگاہ پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سیتا رام ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔ ایک بار ایک صندوق سے ٹکرا کر گر پڑا۔ دو ایک بار ہاتھ پیر جو ہاں ٹھوکر لگی۔ سیتا رام کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور ساتھ ہی ایک سرد لہر اس کے جسم میں سنسناتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے محسوس کیا کہ گھر میں کوئی موجود ہے۔ اور اس کے سانس لینے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ پاس والے کمرے میں جا کر دیکھا۔ رکمنی کی خواب گاہ سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ چراغ جلتا دیکھ کر سیتا رام بہت ہی خوش ہوا۔ اور لپک کر وہ اندر گھس گیا۔ مگر وہاں پہنچتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا ——— "ارے یہ کون!" اس نے دیکھا ایک عورت چپ چاپ بیٹھی تھر تھر کانپ رہی ہے۔ اس کا لباس بھیگا ہوا ہے۔ اور اس کے جسم سے چپک کر رہ گیا ہے۔ اس کے کھلے ہوئے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ پہلے تو سیتا رام نے سمجھا

کہ رکمنی بھوت بن کر یہاں آ بیٹھی ہے۔ پھر اس نے ہمت سے کام لیا۔ اور ہنس کر بولا ــــــ "اری! تم پھر کہاں سے آگئیں؟ کیا تمہیں موت بھی نہ آئی..... معلوم ہوتا ہے فرشتۂ اجل کو بھی دھوکہ دے کر واپس آگئی ہو"

رکمنی کچھ دیر شعلہ بار آنکھوں سے سیتا رام کی طرف دیکھتی رہی۔ اس سے سیتا رام کا کلیجہ مارے ڈر کے دھڑکنے لگا۔ آخر رکمنی نے کہا "تم لوگوں کا خاتمہ کئے بغیر میں کیونکر مروں گی" اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگی ــــ "موت کے پنجہ سے رہا ہو کر واپس آگئی ہوں..... اب پہلے تمہیں اور ولی عہد کو چولھے میں جھونکوں گی۔ اور دونوں کی بھبھوت ملے کر جسم پر لگا کر دل کی جلن ٹھنڈی کروں گی..... اس کے بعد موت کی آغوش میں سو جاؤں گی۔ لیکن جب تک اپنا کام پورا نہ کروں گی۔ میرے لئے مرنے کی کوئی وجہ نہیں"

رکمنی کی آواز پہچان کر سیتا رام کا حوصلہ بلند ہوا۔ اور اس پر یکایک محبت کا بھوت سوار ہو گیا۔ وہ ایک دفعہ پھر رکمنی کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس لئے وہ اس کے پاس جا کر اس کے جسم کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اور پیار سے کہنے لگا ــــ "جانِ من! تم تو معمولی سی بات کے لئے قہر مجسم بنی کھڑی ہو۔ نامعلوم کبھی کبھی تمہیں ہو کیا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا..... اچھا کچھ تو کہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

سیتا رام کی اس چاپلوسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ رکمنی کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا۔ اور اس کا سارا جسم اس غصے کی آگ میں جلنے لگا۔ اس نے اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی لیکن کوئی چیز نظر نہ آئی۔ تب وہ دانت پیستے ہوئے بولی ــــــ "ذرا ٹھہرو۔ میں نے تمہارا سر نہ پھوڑا تو میرا نام نہیں" اتنا کہہ کر لرزہ براندام وہ کوئی پتھر وغیرہ اٹھانے کے لئے دوسرے کمرے میں گئی۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سیتا رام گھر سے نکل بھاگا۔

اور جب منگلا (رکمنی) پھر لے کر واپس آئی۔ اور وہاں سیتارام کو نہ پاکر اس کا نام لے لے کر پتھر زمین پر مارنا شروع کر دیا۔

سیتارام جب منگلا کے گھر سے باہر نکلا۔ تو اس نے سوچا کہ منگلا کو ولی عہد کے فرار ہونے کا سب حال معلوم ہے۔ اس لئے وہ ہم سب کو قید کرائے بغیر دم نہ لے گی۔ .... میں نے اس ناگن کا سر کچل دیا ہوتا، تو اچھا تھا۔ اب تو جو ہوا سو ہوا۔ لیکن میرے لئے اب یشوہر میں ایک منٹ ٹھہرنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ اس لئے میں ابھی بھاگ جاؤں۔ اسی میں بہتری ہے۔ چنانچہ وہ اسی رات اپنے بال بچوں کو لے کر یشوہر چھوڑ کر پاٹلی پتر کی طرف بھاگ گیا۔

آگ آہستہ آہستہ سرد ہو گئی۔ ولی عہد کی غیر یقینی موت کا حال پرتاپ دت کے کانوں تک پہنچا۔ اور وہ فوراً ہی محل چھوڑ کر دربار میں آ بیٹھے۔ سب سے پہلے انہوں نے پہرہ داروں کو طلب کیا۔ وزیر بھی آ پہنچے۔ اس کے بعد ایک دو درباری بھی آ گئے ایک شخص نے کہا کہ جب آگ خوب زوروں پر تھی، میں نے کھڑکی سے جھانک کر ولی عہد کو دیکھا تھا۔ کچھ اور آدمیوں نے کہا۔ کہ انہوں نے ولی عہد کے چلانے کی آوازیں سنی تھیں۔ ایک اور آدمی نے ولی عہد کے کمرے سے ان کی آدھی جلی ہوئی تلوار لا کر مہاراج کے سامنے رکھ دی۔

"پرتاپ دت نے پوچھا: "چچا کہاں ہیں؟"

رات بھر ان ہی ڈھونڈنے پر ان کا کوئی پتہ نہ لگا۔ کسی نے کہا ــــــ "مہاراج! جس وقت آگ لگی تھی۔ وہ بھی اس وقت قید خانہ میں تھے۔"

یہ سن کر دوسرا بول اٹھا ــــ "نہیں مہاراج! رات کے وقت ہی جب انہوں نے سنا کہ قید خانہ میں آگ لگی ہے۔ وہ اسی وقت جلدی سے چلے گئے۔"

پرتاپ دت جب دربار میں بیٹھے لوگوں کی قیاس آرائیاں سن رہے تھے۔

باہر دروازے پر کچھ معمولی شور و غل ہوا۔ دربان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو اس نے بتایا کہ ایک عورت اندر آنا چاہتی ہے۔ مہاراج نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ دربان رکمنی کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوا۔ راجہ نے اس سے پوچھا۔
"تم کیا چاہتی ہو؟"
رکمنی نے آہنگ دار آواز سے جواب دیا: "میں صرف یہ چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے یہ جو پہرہ دار کھڑے ہیں۔ ان سب کو چھ چھ ماہ کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے۔ جہاں ان کو خوب اذیت دی جائے۔ یہ لوگ نہ آپ کی کچھ پرواہ کرتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ سے ڈرتے ہیں۔"
پرتاپ دت: "بات کیا ہے۔ مفصل بیان کرو۔"
رکمنی: "جی اور کیا بات ہوئی تھی۔ ولی عہد کل رات، بوڑھے راجہ کے ساتھ بھاگ گئے۔۔۔!"
پرتاپ دت: "تمہیں معلوم ہے آگ کس نے لگائی؟"
رکمنی: "ضرور جانتی ہوں۔ یہ آپ کے پہرہ دار سیتا رام کا کام ہے۔ کیونکہ وہ ولی عہد کو بہت چاہتا ہے۔ یہ سب اسی کی شرارت ہے۔ یہ کھچڑی 'سیتا رام' بوڑھے راجہ اور ولی عہد نے مل کر پکائی ہے۔"
پرتاپ دت کافی دیر تک خاموش رہے۔ اس کے بعد پوچھا: "تمہیں یہ سب باتیں کیونکر معلوم ہوئیں؟"
رکمنی: "مہاراج! یہ بات پوچھنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ آپ میرے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیں۔ میں خود جا کر انہیں تلاش کروں۔ آپ کے آدمی تو بھیڑیں ہیں۔ ان سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔"
پرتاپ دت نے رکمنی کے ساتھ آدمی بھیجنے کا حکم دے دیا۔ اور پہرہ داروں

کو مناسب سزائیں دے دیں ۔ اس کے بعد سب لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے ۔ دربار میں صرف وزیر اور مہاراج بیٹھے رہے ۔ وزیر کا خیال تھا کہ مہاراج اس سے کچھ کہیں گے ۔ لیکن مہاراج کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ۔ وزیر نے کچھ کہنے کے ارادے سے کہا ۔۔۔ "مہاراج !" لیکن پرتاپ دت نے کوئی جواب نہ دیا ۔ اس پر وزیر آہستہ آہستہ باہر چلا گیا ۔

اسی دن سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے پرتاپ دت نے ایک ٹھاکر کی زبانی ادیادت کے فرار ہونے کی خبر سنی ۔ اور اس پر مہاراج کو یقین آ گیا ۔ کیونکہ ٹھاکر نے ادیادت کو کشتی میں فرار ہوتے خود دیکھا تھا ۔ اس کے بعد اور بھی کئی لوگوں نے اس خبر کی تصدیق کی ۔

یہ واردات ہوئے ایک ہفتہ گذر گیا ۔ اس اثنا میں وہ لوگ بھی لوٹ آئے ۔ جو کمی کے ساتھ گئے تھے ۔ اور انہوں نے مہاراج سے عرض کی کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ادیادت کو راجہ کے گڑھ میں دیکھا ہے "

اس پر پرتاپ دت نے اپنے فوجی سردار مختار خان پٹھان کو بلا کر کچھ احکام صادر کیے ۔ اور وہ سلام کر کے چلا گیا ۔

---

(۳۸)

ادیادت ایک عرصے کے بعد راجہ کے گڑھ میں گئے تھے ۔ لیکن ان کو پہلے کی طرح سکون نصیب نہ ہوا ۔ اور نہ ہی ویسی خوشی ہوئی ۔ بے پناہ تفکرات کا بوجھ دل پر تسلط جمائے ہوئے تھا ۔ اور وہ ہر وقت اس سوچ میں ڈوبے رہتے تھے کہ دادا جی نے جو کام

کیا ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ مہاراج ان کو یونہی چھوڑ دیں یہ ناممکن بات ہے۔"

ادیادت کو متفکر دیکھ کر وسنت رائے دن رات ان کو بہلانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ کبھی تو ستار بجا کر سناتے۔ کبھی سیر و تفریح کے لئے لے جاتے۔ اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔ ادیادت کی وجہ سے ان کے راج کاج میں ایک بھاری رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا، کہ کہیں ادیادت یہاں سے بھاگ کر جیسور شہر نہ چلے جائیں۔ اس لئے دن رات انہیں آنکھوں کی پتلی بنائے رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان سے کہہ بھی دیتے۔

"ادوے! اب تمہیں اس پتھر دل شہر میں نہ جانے دوں گا۔"

ایک دن سویرے بیدار ہوتے ہی وسنت رائے نے ادیادت کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ادوے! رات کو میں نے ایک بھیانک خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہوں۔"

ادیادت نے وسنت رائے کے پاؤں پکڑ کر کہا۔ "ایسا نہ کہو دادا جی! جدائی اگر ہوگی بھی، تو ہمیشہ کے لئے کیوں ہوگی۔"

وسنت رائے نے دوسری طرف منہ پھیر کر آزردہ دل سے کہا ——— "میں اب کب تک اس طرح قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا رہوں گا۔"

گزشتہ رات کے بھیانک خواب کے تاثرات ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حیرت زدہ اور پریشان خاطر ہو کر کچھ سوچنے لگے۔

ادیادت کچھ دیر خاموش رہ کر بولے "یا خدا! اگر جدائی ہو گئی تو پھر کیا ہوگا۔"

وسنت رائے نے ادیادت کو گلے لگا کر کہا "بیٹا! گھبراتے کیوں ہو۔ جدائی کبھی ہوگی، لیکن تم کہیں بھاگ کر اس جگہ میری عزت پر دھبہ نہ لگانا۔"

ادیادت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ اس بات سے حیران ہوئے کہ ان

کے دلی مقصد کو دادا جی نے کس طرح تاڑ لیا ہے۔ پھر ایک لمبا سانس لے کر کہا ——

"دادا جی! آپ کے پاس ٹھہرنے پر مصائب کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

وسنت رائے نے ہنس کر کہا "کیسی آفت! اس عمر میں کسی مصیبت کا کیا ڈر ہے۔ اور پھر وہ آفت موت سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ موت بھی یہیں کہیں پڑوس میں مجھے ڈھونڈ رہی ہوگی۔ اب بھلا اس سے کیا ڈرنا ہے ...... زندگی کے وسیع سمندر میں ہر قسم کے مصائب برداشت کر کے اس عمر کو پہنچا ہوں۔ اب اگر کشتی ساحل پر پہنچ کر ڈوب گئی تو کیا ہو جائے گا۔"

دوسرے دن ادیادت، وسنت رائے کے پاس رہے۔ کیونکہ سارا دن پانی برستا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ کہیں بھی نہ جا سکے۔ ابھی سورج ڈھلنے میں کچھ دیر باقی تھی، کہ بارش تھم گئی۔ ادیادت نے باہر کی طرف دیکھا۔ طبیعت مچل گئی۔ اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وسنت رائے نے پوچھا ——

"کہاں جاتے ہو؟"

ادیادت: "ذرا گھومنے کو جی چاہتا ہے۔"

وسنت رائے: "آج گھومنے نہ جاؤ۔"

ادیادت: "دادا جی! وہ کیوں؟"

وسنت رائے بچوں کی طرح ادیادت سے لپٹ گئے اور کہا ——

"آج تم کہیں بھی نہ جاؤ۔ میرا دل گھبرا رہا ہے ——"

ادیادت: "اچھا دادا جی! میں بہت دور نہ جاؤں گا۔ ابھی واپس آتا ہوں۔"

ڈیوڑھی سے اکیلے باہر جاتے دیکھ کر دربان نے کہا "مہاراج! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

ادیادت: "کوئی ضرورت نہیں۔"

دربان:- آپ کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں۔

ادیادت:- تو کیا حرج ہے۔

وہاں سے کچھ دور آگے چل کر وہ ایک وسیع میدان میں پہنچے۔ سورج گوشۂ مغرب میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ آج اس تنہائی میں اس کے دل میں کئی خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو بے کس و بے یار و مددگار سمجھ رہے تھے۔ اس چھوٹی سی عمر میں انہوں نے اس قدر نشیب و فراز دیکھے تھے کہ وہ اپنی زندگی سے بھی عاجز آ چکے تھے۔ وہ اپنے مستقبل کو اس قدر تاریک سمجھتے تھے کہ انہیں کہیں بھی امید کی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ اس کے بعد وبھا کی یاد آئی۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس وقت تک وہ وبھا کی مسرت کی روشنی پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے دل ہی دل میں وبھا کو آشیرباد دیا۔

میدان سے ذرا ہٹ کر پیپل، کھجور اور سپاری وغیرہ کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ جہاں راہ گیر اور چرواہے دوپہر کے وقت دم لینے کے لئے رک جاتے تھے۔ ادیادت بھی اس چھوٹے سے جنگل میں گھس گئے۔ سورج تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ ادیادت یہاں سے فرار ہونے کے ارادے پر غور کرنے لگے۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ آج ہی اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ جب وسنت راجہ کو معلوم ہوگا۔ کہ ادیادت بھاگ گیا ہے۔ تو ان کی کیا حالت ہوگی۔ اور وہ تصور ہی تصور میں ان کی حالت کا نقشہ کھینچنے لگے۔ وہ ابھی حالت میں مستغرق تھے کہ ایک عورت کی کرخت آواز ان کے کانوں میں پہنچی —— "یہ ہیں وہ سامنے آپ کے ولی عہد بیٹھے ہیں۔"

اتنے میں دو سپاہی ہاتھوں میں مشعلیں لئے ادیادت کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے کئی سپاہی انہیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ وہ عورت بھی ولی عہد کے پاس آ گئی۔ اور کہا —— "مجھے پہچانتے ہو؟ ذرا ادھر تو دیکھئے۔ صرف

ایک نظر....."

ولی عہد نے مشعل کی روشنی میں رکمنی کو دیکھا۔ اور منہ پھیر لیا۔ سپاہیوں نے رکمنی کو جھڑک کر کہا۔ "دور ہو جاؤ یہاں سے۔"

مگر اس نے اس پر ذرا بھی توجہ نہ دی۔ اور کہنے لگی ـــ "میں نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا۔ تمہارے لئے سپاہیوں کو لے کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ اور تم....."

ولی عہد نفرت سے رکمنی کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔ سپاہیوں نے رکمنی کو زبردستی وہاں سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد مختار خاں نے سامنے آ کر ادیادت کو سلام کیا۔ ادیادت نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ـــــــ "سناؤ مختار خاں! کیا حال ہے؟"

مختار خاں نے نہایت ادب سے جواب دیا ـــــــ "حضور! مہاراج کے حکم سے ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔"

ادیادت۔ "کیا حکم ہے؟"

مختار خاں نے پیہ ناپ دت کا فرمان نکال کر ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ ادیادت نے پڑھ کر کہا۔ "اس کے لئے اتنی فوج کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے ایک حکم نامہ لکھ کر بھیج دیتے۔ اور میں خود بخود ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ میں تو خود ہی وہاں جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اچھا، اب اس دیر سے کیا مقصد؟ ابھی چلو۔ میں لیشوہر جانے کے لئے تیار ہوں۔"

مختار خاں۔ "لیکن ابھی تو ہم لوگ نہ جا سکیں گے۔"

ادیادت۔ "وہ کیوں؟"

مختار خاں۔ "مہاراج کا ایک حکم اور بھی ہے۔ اور اس کو سرانجام دینا ضروری ہے ـــــــ"

اد یادت نے خوف زدہ ہو کر پوچھا ـــــ "اور کیا حکم ہے؟"

مختار خاں: "وسنت رائے کو قتل کرنے کا...."

اد یادت چونک پڑے اور کہا ـــــ "نہیں نہیں۔ ایسا حکم وہ نہیں دے سکتے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

مختار خاں: "حضور میں جھوٹ نہیں کہتا۔ مہاراج کا حکم نامہ میرے پاس ہے۔"

اد یادت نے مختار خاں کا ہاتھ پکڑ کر فکرمندانہ انداز سے کہا ـــــ "مختار خاں! تم نے اس حکم نامے کا مطلب نہیں سمجھا۔ ان کا حکم تو یہ ہے کہ اگر دادا جی مجھے تمہارے حوالے نہ کریں، تو ان کو ـــــ لیکن جب میں خود ہی رضامند ہوں، اور چاہتا ہوں کہ مجھے ابھی لے چلو۔ تو اس حکم کی تعمیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔"

مختار خاں: "جی نہیں۔ میں مطلب تو بخوبی سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ مہاراج کا یہ تاکیدی حکم ہے۔"

اد یادت نے بے حوصلہ ہو کر کہا ـــــ "تم بھولتے ہو۔ حکم کی نوعیت کچھ اور ہے...... تم ابھی میرے ساتھ یشوہر چلو۔ میں مہاراج کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔ اور اگر پھر بھی انہوں نے ایسا حکم دیا، تو تم تعمیل کر دینا۔"

مختار خاں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ـــــ "حضور! مجھے معاف کیجئے۔ میں مہاراج کا حکم نہیں ٹال سکتا۔"

اد یادت ۔ "مختار! اس بات کا خیال رکھو، کہ وقت آنے پر یشوہر کی گدی مجھے ملتی ہے۔ تمہیں میری خوشی کا خیال رکھنا چاہیئے۔" مختار خاں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اد یادت کا چہرہ زرد پڑ گیا جسم پسینے سے تر بتر ہو گیا۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر مختار خاں کا ہاتھ پکڑ کر کہا ـــــ "مختار خاں! بے گناہ بوڑھے راجہ کا خون کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ تمہارے لئے دوزخ میں بھی کوئی جگہ نہ ہوگی۔"

مختار خاں :۔ "مالک کا حکم ماننا گناہ نہیں۔"

اد یادت نے کڑک کر کہا ـــــ "کون کہتا ہے یہ گناہ نہیں..... جس بات کو تم خود بُرا سمجھتے ہو۔ اسے کرتے اس لئے ہو کہ تمہارے مالک کا حکم ہی ایسا ہے۔ تو یقین رکھو کہ ایسے حکم کی تعمیل کرنا گناہ ہے۔"

مختار اب پھر خاموش رہا۔

اد یادت اپنے چاروں طرف دیکھ کر بولے۔ "اچھا اگر تم اس بات پر رضامند نہیں، تو مجھے چھوڑ دو۔ میں قلعہ میں جاتا ہوں۔ وہاں اپنی فوج لے کر آؤ۔ اور پھر لڑائی جیت کر مالک کا حکم پورا کرو۔"

مختار اب بھی خاموش رہا۔ اس کے سپاہیوں نے اد یادت کے اور قریب آکر اچھی طرح گھیر لیا۔ اد یادت نے جب اور کوئی طریقہ کارگر نہ دیکھا تو اپنی پوری قوت سے چلا اُٹھے۔ "داداجی! خبردار ـــــ!" اس آواز سے جنگل گونج اٹھا۔ لیکن یہ آواز میدان کی حدود تک ختم ہو کر رہ گئی۔ اب سپاہیوں نے اد یادت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر خوب زور سے آواز دی۔ ان کی آواز سن کر ایک مسافر وہاں آگیا۔ اور پوچھا۔ "کیا ہے۔"

اد یادت نے فوراً کہا۔ "جاؤ جاؤ۔ جلد دوڑ کر جاؤ۔ اور مہاراج کو خبردار کردو۔" ابھی اد یادت نے یہ الفاظ کہے تھے۔ کہ سپاہیوں نے اس مسافر کو بھی گرفتار کر لیا۔ اس میدان میں آنے جانے والے اور بھی کئی آدمیوں کو فوج نے روک لیا۔ کچھ سپاہی اد یادت کو گھیرے رہے۔ اور باقی فوج کو ساتھ لے کر مختار خاں قلعے کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے بھیس بدل لیا تھا۔ اور ہتھیار چھپا لئے تھے۔ وہ لوگ الگ الگ ہو کر مختلف رستوں سے قلعے کے اندر داخل ہوئے۔

وسنت رائے شام کی پوجا میں مشغول تھے۔ مندر سے بھی سنکھ اور گھڑیال کی

آواز آرہی تھی۔ لیکن راج محل میں ہر طرح کا سکوت چھایا ہوا تھا۔ وسنت رائے کے قانون کے مطابق زیادہ تر نوکر بھی سورج غروب ہوتے ہی کچھ دیر کے لئے رخصت ہو گئے تھے۔

وسنت رائے ابھی پوجا پاٹھ کر ہی رہے تھے۔ کہ انہوں نے دیکھا۔ مختار خاں ان کے کمرے میں گھسا چلا آ رہا ہے۔ وسنت رائے نے گھبرا کر جلدی سے کہا ——

"خان! اندر مت آئیے۔ میں ابھی فارغ ہو کر آتا ہوں"

مختار خاں کمرے سے نکل کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ ادھر وسنت رائے اپنی پوجا ختم کر کے باہر آ گئے۔ اور مختار خاں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ——

"خاں صاحب! اچھے تو ہو؟"

مختار خاں نے مختصراً جواب دیا "جی ہاں مہاراج!"

وسنت رائے "آپ کس وقت آئے ہو...... کچھ کھایا پیا بھی ہے؟"

مختار خاں "جی ہاں! سب آپ کی مہربانی ہے"

وسنت رائے "اچھا! پھر تمہارے ٹھہرنے کا بندوبست کر دوں"

مختار خاں "جی نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے ابھی واپس جانا ہے"

وسنت رائے "بھائی! یہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی آئے ہو اور ابھی چلے بھی جاؤ گے۔ آج کا دن تو تمہیں ٹھہرنا ہی پڑے گا"

مختار خاں "نہیں مہاراج! مجھے ایک ضروری کام کرنے ابھی واپس جانا ہے۔"

وسنت رائے "ایسا ضروری کام کیا ہے...... کہو پرتاپ تو اچھی طرح ہے نا!"

مختار خاں "جی ہاں! وہ بالکل اچھے ہیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کے لئے مجھے یہاں بھیجا ہے" اتنا کہہ کر اس نے ایک حکم نامہ وسنت رائے کے ہاتھ میں دے دیا۔ وسنت رائے چراغ کی روشنی میں پڑھنے لگے۔ اس اثنا میں فوج

نے آ کر اس کمرے کو گھیر لیا۔ وسنت رائے جب پڑھ چکے، تو آہستہ آہستہ مختار خاں کے نزدیک آ کر پوچھا: "یہ کیا پرتاپ نے لکھا ہے؟"

مختار خاں۔ "جی ہاں۔"

وسنت رائے کے دل کو اس قدر صدمہ پہنچا، کہ وہ خود بخود بڑبڑانے لگے۔ "کیا یہ پرتاپ کے الفاظ ہیں؟ ——— کیا اس کا خون اس قدر سرد ہو چکا ہے؟"

پھر وہ ایک آہ بھر کر مختار خاں سے مخاطب ہوئے ——— "اس پرتاپ کو میں نے اپنے ہاتھوں پالا پوسا۔ اور اپنی گود میں کھلایا ..... جوان ہوا تو اس کی شادی کی اور شوہر کا تخت اس کے حوالے کر دیا۔ پھر اس کی اولاد کو اپنی گود میں کھلا کر بڑا کیا۔ ..... آج اسی پرتاپ نے یہ بات لکھی ہے۔"

مختار خاں سر جھکائے چپ چاپ کھڑا رہا۔

وسنت رائے۔ "بیٹا اودے کہاں ہے؟"

مختار خاں: "وہ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ مہاراج ان کا مقدمہ سنیں گے۔"

وسنت رائے۔ "کیا سچ مچ تم نے اسے گرفتار کر لیا ہے ..... اچھا تو میں ایک بار اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مختار خاں: "جی نہیں! مہاراج کا حکم اس کے برعکس ہے۔"

وسنت رائے نے مختار خاں کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہا ——— "خان! مجھے ایک بار اودے سے ملنے دو گے؟"

مختار خاں: "جناب! میں تو مہاراج کے حکم کا پابند ہوں۔"

وسنت رائے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: "اس دنیا میں کسی کے پاس رحم اور سچائی نہیں ..... آگے بڑھو۔ اور اپنے مہاراج کے حکم کی تعمیل کرو۔"

مختار خاں جھک کر آداب بجا لایا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہا ——— "مہاراج! اس

غلام کو معاف کیجئے۔ مجھے تو صرف اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

وسنت رائے:" خان! تمہارا قصور ہی کیا ہے کہ تمہیں معاف کروں..... لیکن پرتاپ سے یہ کہہ دینا کہ تمہارا چچا تمہیں آشیرباد دے کر مرا ہے.....اور دیکھو مرنے سے پہلے ادیادت کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ وہ بالکل بے قصور ہے۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔"

وسنت رائے آنکھیں بند کر کے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور دائیں ہاتھ سے مالا پھیرتے ہوئے بولے۔" خان! اب دیر نہ کرو۔"

مختار خاں نے عبداللہ کو آواز دی۔ اور وہ ننگی تلوار لے کر حاضر ہو گیا۔ اس کے آنے پر مختار خاں وہاں سے ہٹ گیا۔ دم بھر میں عبداللہ بھی خوں آشام تلوار ہاتھوں میں لئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اور کمرے میں خون کی دھارا بہہ نکلی۔

---

(۲۹)

مختار خاں نے فوج کا زیادہ تر حصہ رائے گڈھ میں تعینات کر دیا۔ اور کچھ سپاہی لے کر ادیادت کے ہمراہ یشو ہر روانہ ہوا۔ دوران سفر میں پورے دو دن ادیادت نے نہ کچھ کھایا۔ اور نہ کچھ پیا۔ اور نہ ہی کسی سے بات چیت کی۔ وہ اپنے ہی خیالات میں مستغرق رہے۔ تیسرے دن وہ ایک قیدی کی طرح پرتاپ دت کے سامنے پیش کئے گئے۔ پرتاپ دت کو سامنے دیکھ کر ان کا سارا جسم کانپ اٹھا۔ اور انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

پرتاپ دت نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا ــ "تمہارے لئے کیا سزا تجویز کی جائے؟"

ادیادت: "جو مناسب سمجھی جائے"

پرتاپ دت: "تم ولی عہد بننے کے قابل نہیں ہو"

ادیادت: "بجا ہے"

پرتاپ دت بھی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، دل سے کہہ رہے ہو"

ادیادت: "میں بدقسمت ضرور ہوں۔ لیکن خود غرض اور دغا باز نہیں۔ اگر آپ کو اعتبار نہیں، تو میں ماتا درگا کے قدم چھو کر قسم کھاؤں گا۔ کہ مجھے آپ کے راج میں سوئی کی نوک برابر زمین کی ضرورت نہیں۔ راجکمار سمرادت ہی آپ کا وارث ہو گا"

پرتاپ دت نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھا تم کیا چاہتے ہو؟"

ادیادت: "مجھے صرف آزادی چاہیے۔ میں فوراً بنارس چلا جاؤں گا۔ لیکن اتنی التجا ضرور کروں گا، کہ میں وہاں ایک مندر اور ایک سرائے دادا جی کے نام پر تعمیر کرانا چاہتا ہوں۔ جس کے تمام اخراجات آپ برداشت کریں"

پرتاپ دت: "منظور ہے"

اسی دن ادیادت نے مندر جا کر قسم کھائی، اور ریشو ہر کا تخت و تاج، دھن دولت، عزت مرتبہ سب کچھ تیاگ دیا۔ مہارانی نے جب سنا کہ ادیادت بنارس جا رہا ہے۔ تو وہ ان کے پاس آئی اور کہا۔ "بیٹا! مجھے بھی ساتھ لے چلو"

ادیادت: "کیوں ماں! تمہارے سمرادت ولی عہد بنے ہیں، اور باقی سب لوگ یہاں رہیں گے۔ اگر تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔ تو ریشو ہر میں راج لکشمی بھی نہ رہے گی"

مہارانی نے رو کر کہا۔ "بیٹا! تم اس عمر میں تمام سکھ اور دھن دولت چھوڑ کر

جاتے ہو۔ تو میں کس بھروسے پر یہاں رہوں۔ یہ راج پاٹ میں کیا کروں گی — تم
سنیاسی ہو کر رہو گے۔ تو تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا۔ تمہارا باپ تو سنگدل ہے۔
لیکن میں تو تمہیں نہیں چھوڑ سکتی "

ادیادت نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہا " ماں! تم جاتی ہو۔ میرے
یہاں رہنے سے کسی کو دکھ نہ ملے گا۔ اس لئے تم بے فکر رہو۔ میں یہاں بڑے مزے سے
ایشور بھجن میں مست رہوں گا "

اس کے بعد وہ وبھا کے پاس پہنچے۔ اور کہا۔ وبھا! میں بنارس جانے سے پہلے
چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر پہنچا دوں۔ بس اب صرف یہی خواہش باقی ہے "

وبھا نے پوچھا " دادا جی کیسے ہیں؟"

ادیادت " اچھے ہیں " اتنا کہہ کر وہ جلد ہی وہاں سے چلے گئے۔

---

(۳۰)

ادیادت چندر دیپ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ وبھا اپنی ماں کے گلے لگ کر
خوب روئی۔ راج محل کی تمام عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔ اور پند نصائح کا دفتر کھل گیا۔
مہارانی نے ادیادت کو بلا کر کہا " وبھا کو لئے تو جا رہے ہو۔ لیکن اگر وہ لوگ کوئی ایسی
حرکت کر بیٹھیں تو ..... "

ادیادت نے چونک کر کہا " وہ لوگ کیا کریں گے؟ "

مہارانی " کیا معلوم! وہ اگر وبھا پر ناراض ہوں تو ..... "

ادیادت " نہیں ماں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ وبھا جیسی بھولی بھالی لڑکی پر

کون ناراض ہوگا؟"

مہارانی نے رو کر کہا "بیٹا! وبھا کو ذرا ہوشیاری سے سسرال پہنچانا اگر ان لوگوں نے تمہاری بے عزتی کی تو وبھا زندہ نہ رہ سکے گی۔"

اس کے بعد وبھا اور ادیادت نے ماں کو پرنام کیا۔ مہارانی نے ضبط سے کام لیکر اپنے آنسو پی لیے۔ اسے ڈر تھا کہ ان کے سامنے آنسو بہانے سے کوئی نحوست پیش نہ آئے۔ لیکن ان کے جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہاں سے نکل کر انہوں نے مہاراج کو اور اپنے باقی رشتہ داروں کو پرنام کیا۔ ادیادت نے سمرادت کو گود میں اٹھا کر پیار سے اس کا منہ چوم لیا۔ راج محل کے نوکر چاکر ان کے پاس آئے۔ اور پرنام کر کے رونے لگے۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو دل وجان سے چاہتے تھے۔ اور ان کا احترام کرتے تھے۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ دونوں مندر میں گئے۔ اور پرارتھنا کرنے کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ یشوہر کی حد سے ختم کر چکے، تو انہوں نے اطمینان کی سانس لی، کہ وہ دوزخ کی سرزمین سے دور نکل آئے ہیں۔ ادیادت نے تو پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی واپس لوٹ کر نہ آئیں گے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر نگاہ ڈالی یشوہر کے فلک بوس راج محل راکشس کی طرح سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سپیدۂ صبح نمودار ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کے کنارے نئی دلہن کے رخساروں کی طرح سرخ ہونے لگے۔ اور جس طرح شرم وحیا کی سرخی کی تہ میں جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اسی طرح آسمان کی اس سرخی کے پردے میں روشنی کا بے پناہ طوفان مچل رہا تھا نرم نرم شعاعیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ اور درختوں کے بالائی حصوں سے شوخیاں کرنے لگیں ملاحوں نے طرح طرح کے راگ الاپتے ہوئے کشتی کھول دی۔ قدرت کی بے نقاب دلفریبیاں دیکھ کر ادیادت کا دل پرندوں کے ساتھ ساتھ آزاد فضا میں پرواز کرنے لگا۔ اس کے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اسی طرح ہمیشہ قدرت کی نیرنگیوں سے لطف اندوز

ہوتا ہے۔ ملاحوں کا گانا اور پانی کا شور سنتے ہوئے بھائی بہن منزلِ مقصود کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ وبھا کے دل میں مسرت و انبساط کی لہریں ناچ رہی تھیں۔ آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک جھلک رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد وہ نرک کے اتھاہ ساگر سے نکل کر سورگ کی طرف جا رہی تھی۔ محبت کے حسین تصورات اس پر چھائے تھے۔ امنگوں کے جوش سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ ادیادت نے اسے اپنے پاس بلایا۔ اور طرح طرح کی کہانیاں سُنانے لگے۔ آج وہ جو کچھ بھی سُن رہی تھی۔ وہی اسے اچھا لگتا تھا۔

کشتی چندر دیپ پہنچ کر کنارے لگی۔ وبھا کے دل میں ایک خاص قسم کا سرور کروٹیں لینے لگا۔ اس کا دل شگفتہ پھول کی طرح کھل اُٹھا۔ اس نے چاہا کہ وہ اپنی رعایا کے کچھ آدمی بلا کر کچھ راج کاج کے متعلق اور کچھ راجہ کا حال پوچھے۔ رعایا کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب محبت پیدا ہو گئی۔ اچانک ہی ایک دو خستہ حال آدمی نظر آئے۔ اور وہ چونک پڑی کہ ان کی یہ حالت کیونکر ہوئی۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ محل میں پہنچتے ہی وہ ان لوگوں کو بلا بھیجے گی۔ اور ان کے دُکھ درد دور کر دے گی۔ کیونکہ اپنے راج میں لوگوں کا اس طرح دکھی رہنا اس سے نہ دیکھا گیا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ رعایا اس کے پاس آ کر اسے ماں کہہ کر پکارے اور اپنا دکھ درد بیان کرے۔

ادیادت نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ وہ اپنے آنے کی اطلاع راج محل میں بھجوا دے اور وہ لوگ یہاں آ کر عزت و تکریم سے ہمیں لے جائیں۔ لیکن اس وقت سورج غروب ہونے کو تھا۔ اس لئے ادیادت نے سوچا۔ کہ کل سویرے کوئی آدمی بھیج دیں گے۔ لیکن وبھا کی خواہش یہ تھی کہ اطلاع آج ہی بھیج دی جائے۔

---

(۳۱)

چندر دیپ کے لوگ آج مصروف نظر آتے ہیں۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی خاص جشن منایا جا رہا ہے۔ وبھا کے دل میں ایک تو پہلے ہی خوشی کی گھٹائیں اُمنڈ رہی تھیں۔ اب باجوں کی سُریلی تانیں سُن کر اس کے جذبات وجد میں آ کر تھرکنے لگے۔ لیکن وہ اپنی ناچتی ہوئی اُمنگوں کی خوشی کو بڑی احتیاط سے چھپائے ہوئے ہے۔ تاکہ یہ خوشی اودیا دت پر ظاہر نہ ہو جائے۔ ہر طرف جشن کے آثار دیکھ کر جشن کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے اودیا دت شہر میں گھومنے کے لیے چلے گئے۔

کچھ دیر کے بعد ایک آدمی کشتی کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔ اور پوچھا "یہ کشتی کس کی ہے؟"

کشتی پر بیٹھے ہوئے نوکر اسے پہچان کر بول اُٹھے "ارے کون؟ رام موہن! آؤ بھائی"!

رام موہن فوراً کشتی پر آ گیا۔ اس نے دیکھا۔ وبھا اکیلی بیٹھی ہے۔ وبھا نے بھی رام موہن کو دیکھتے ہی خوشی سے بے حوصلہ ہو کر کہا "رام موہن!"

رام موہن: "ہاں ماتا!"

رام موہن نے وبھا کی خوشی کو محسوس کرتے ہوئے اداسی سے کہا "ماں! آج تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئی ہو"

وبھا: "ہاں موہن! کیا مہاراج کو میرے یہاں آنے کی خبر مل گئی ہے... کیا تم مجھے لینے کے لیے آئے ہو؟"

رام موہن: "نہیں ـــ اتنی جلدی کیا ہے۔ آج یہیں رہو۔ کل تمہیں لے جاؤں گا"

رام موہن کا مطلب کچھ سمجھ کر وبھا اداس ہو کر بولی "کیوں موہن! آج کیوں نہ جاؤں؟"

رام موہن: "اب تو کافی دیر ہو چکی ہے......"

وبھا نے ڈرتے ہوئے کہا "موہن! سچ سچ کہو۔ بات کیا ہے؟"

رام موہن صاف گو آدمی تھا۔ بہت ولعل کی اسے عادت نہ تھی۔ اس لئے وہ نہ رہ سکا۔ وہ وبھا کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اور رو رو کر تمام حالات بے کم و کاست بیان کر دیئے۔ اور صاف صاف

الفاظ میں کہہ دیا کہ مہاراج آج شادی کر رہے ہیں۔

وبھا خزاں رسیدہ پتے کی طرح زرد پڑ گئی۔ رام موہن کے یہ الفاظ بجلی بن کر اس پر گرے۔
رام موہن نے سلسلہ کلام جاری رکھا "ہاں! جب تمہارا ادنیٰ خادم تمہیں لینے کے لئے گیا۔ تو تم نے سختی سے مجھے واپس بھیج دیا۔ میں اس قابل بھی نہ تھا کہ مہاراج سے کچھ کہہ سکوں.... اب کیا ہو سکتا ہے؟"

یہ سُن کر وبھا کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ سر میں چکر آنے لگے۔ اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔
رام موہن نے وبھا کے منہ پر پانی کے چھینٹے دئے۔ اور وہ کچھ دیر بعد ہوش میں آ گئی۔ جس طرح شبنم کے قطرے سورج نکلتے ہی ڈھلک پڑتے ہیں۔ اسی طرح چند دیپ پہنچتے ہی اس کی مسرتیں ایک خواب بن کر رہ گئیں۔ جام مسرت منہ سے لگانے کے پہلے ہی گر کر چکنا چور ہو گیا۔

وبھا نے بڑی گھبراہٹ سے کہا "کیا اب وہ میرا قصور معاف نہ کریں گے؟"

رام موہن "وہ اب کیا معاف کریں گے؟"

وبھا "اچھا تو میں انہیں ایک بار دیکھوں گی" یہ کہتے کہتے وبھا کے آنسو چھلک پڑے۔

رام موہن "ہاں! آج ٹھہر جاؤ"

وبھا "نہیں! میں آج ہی انہیں دیکھنا چاہتی ہوں"

رام موہن "جیسی تمہاری مرضی.... لیکن ادیادت کو واپس آنے دیں"

وبھا "نہیں میں ابھی چلوں گی" وبھا کا خیال تھا کہ ادیادت یہ خبر سنتے ہی بے عزتی کے ڈر سے شاید وہاں نہ جانے دیں۔

رام موہن "اچھا، تو پھر ایک پالکی لے آؤں"

وبھا "اب پالکی کی ضرورت نہیں رہی۔ اب تو مجھے ایک بھکارن بن کر وہاں جانا ہے"

رام موہن "اپنے جیتے جی میں یہ کیسے دیکھ سکوں گا"

وبھا گھبرا کر بولی "موہن! ان باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ دیر ہو رہی ہے"

رام موہن نے دکھی ہو کر کہا "اچھا چلیئے"

وبھا کو ایک معمولی عورت کی طرح سادہ لباس میں جاتے ہوئے دیکھ کر نوکروں نے پوچھا۔

"سرکار کہاں جا رہی ہیں؟"

رام موہن۔ "اپنے راج میں جہاں کہیں ان کی مرضی ہو۔ جا سکتی ہیں۔" لیکن پھر بھی نوکر وبھا کو روکنے لگے۔ تو رام موہن نے سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر اس ارادے سے باز رکھا۔

(۳۴)

شہر میں خلقت کا کافی ہجوم ہے۔ اس سے پہلے اگر وبھا اس طرح بھیڑ سے گذرتی تو وہ شرم سے جان دے دیتی۔ لیکن آج وہ اندھی ہو چکی تھی۔ وہ جو کچھ دیکھ رہی تھی یا سن رہی تھی۔ وہ سب کچھ اس کے لئے ایک خواب کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن جب وہ راج محل کے پھاٹک پر پہنچی، تو ایک دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ اس وقت وبھا کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ چاروں طرف لوگوں کو دیکھ کر وہ شرم اور دکھ کے مارے زمین میں گڑھ گئی۔ اس گھبراہٹ میں اس کا گھونگھٹ کھل گیا۔ اور غشی طاری ہونے لگی۔ لیکن جلد ہوش میں آ کر اس نے گھونگھٹ ٹھیک کیا۔ رام موہن آگے آگے جا رہے تھا۔ انہوں نے پیچھے گھوم کر دیکھا کہ وبھا پھاٹک کے باہر کھڑی ہے۔ تو اس نے دربان کو دھمکایا۔ پاس ہی فرنانڈز کھڑا تھا۔ اس نے بھی دربان کی خوب خبر لی۔

وبھا راج محل میں داخل ہوئی۔ ایک کمرے میں صرف راجہ اور رانی بیٹھے تھے۔ وبھا اس کمرے میں داخل ہو کر راجہ کے قدموں میں زمین پر بیٹھ گئی۔ راجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کون ہے تو؟" پھر رام موہن کی طرف مخاطب ہوئے۔ "اسے دیوان خانہ سے کچھ دلوا دو۔"

وبھا نے آنسو بھری آنکھوں سے راجہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مہاراج! میں کچھ لینے نہیں آئی۔ بلکہ اپنا سب کچھ تجھے کر وداع ہونے آئی ہوں۔"

رام موہن اب خاموش نہ رہ سکا۔ آگے بڑھ کر بولا۔ "مہاراج! آپ کی پرانی بیشوہر کی رجکماری ہیں۔"

رام چندر رائے چونک پڑے لیکن رانی۔ نے راجہ کی طرف ترچھی نظر سے دیکھ کر ذرا سخت لہجہ میں کہا۔ "کیوں اب کیا بھیتر سے دل بھر گیا؟" راجہ کے دل میں پرانی محبت خود کر آئی تھی۔ پھر بھی رانی کی بات سن کر وہ ہنس پڑے۔ انہیں خیال آیا کہ محبت ظاہر کرنے سے شاید لوگ مجھ پر ہنسنے لگے۔ وبھا پر لاتعداد بجلیاں ٹوٹ پڑیں۔ اور وہ جسم کو گرا کر رہ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں

دل ہی دل میں پرارتھنا کی۔ کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔"

رام موہن رمالی پر جھپٹا۔ اور اس کو گلے سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ راجہ ناراض ہو کر بولے۔"رام موہن! تم بے ادبی کرتے ہو۔"

رام موہن نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔"مہاراج! یہ بے ادبی نہیں ہے۔ اس بدمعاش نے آپ کے سامنے آپ کی رانی کی بے عزتی کی۔ تو پھر آپ کا خادم یہ کس طرح دیکھ سکتا ہے۔"

راجہ نے ڈانٹ کر کہا۔"کون میری رانی ہے؟ .... میں اسے نہیں پہچانتا۔"

دیبھا کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ تنفس تیز ہو گیا۔ اور وہ لرزہ براندام بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ رام موہن نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"مہاراج! چار پشتوں سے آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ اور میں نے آپ کو اپنی گود میں کھلایا ہے۔ لیکن آج آپ نے میرے سامنے راج لکشمی کی بے عزتی کی۔ اس لئے میں اب آپ کے پاس نہ رہ سکوں گا۔" اتنا کہہ کر رام موہن نے راجہ کو پرنام کیا۔ اور دیبھا سے کہا۔"چلو ماں! اب ایک لمحہ بھی یہاں نہ ٹھہریں گے۔"

رام موہن بے ہوش دیبھا کو پالکی میں کشتی تک واپس لے آیا۔ اور وہ دونوں ادیادت کے ساتھ بنارس چلے گئے۔ دیبھا وہاں پوجا پاٹھ اور دھرم کے کاموں میں وقت گذارنے لگی۔ رام موہن بھی جب تک زندہ رہا۔ ان کی خدمت کرتا رہا۔ سیتارام بھی بال بچوں کو لے کر بنارس چلا گیا۔ اور ادیادت کے سایۂ عاطفت میں رہنے لگا۔ چندردیپ میں دیبھا کی کشتی جس دکان کے سامنے جا لگی تھی۔ اس کا نام آج تک "ٹھاکرانی کی ہاٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن نمود و نمائش کے جس اندھیرے میں یہ سب کچھ ہوا۔ اسے کوئی بھی دور نہ کر سکا

ختم شد